نایاب کتب کے ذخیرے سے شائع شدہ

الجزیہ

سعید انصاری
(م ۱۹۶۲ء)

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

Marfat.com

Marfat.com

نام نیک رفتگاں ضائع مکن

الجزیہ

سعید انصاری
(م ۱۹۶۲ء)

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

Marfat.com

تقسیم کار : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۲۵

صدر دفتر : 135041

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۲۵

شاخیں :

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۶

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۔ ۴۰۰۰۰۳

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علیگڑھ ۔ ۲۰۲۰۰۲

اشاعت : ۱۹۹۵ء

قیمت : پچاس روپے

پاکیزہ آفسٹ، محمد پور روڈ، شاہ گنج، پٹنہ ۶

Marfat.com

حرفے چند

ہندستانی مسلمانوں نے جن امور کے بارے میں جو غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں ان میں سے ایک جزیہ بھی ہے۔

ہمارے دوست مرحوم سعید انصاری صاحب نے اس مضمون پر ایک زمانے میں معارف میں بہت تفصیل سے لکھا تھا وہ اہم تحقیق مدت سے نظروں سے اوجھل رہی مگر اس قابل ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچے، سو یہ کوشش کی جارہی ہے۔

ع۔ ر۔ ب

Marfat.com

الجزیہ

از

جناب مولانا سعید انصاری صاحب سابق رفیق دار المصنفین۔

"جزیہ کے متعلق غیر مسلمون مین مدتون سے جو غلط فہمی چلی آرہی تھی، اس کو سب سے پہلے مولانا شبلی مرحوم نے الجزیہ لکھ کر دور کیا لیکن اسکے بعض پہلو پھر بھی تشنۂ تحقیق تھے، اس مضمون مین تمام ضروری پہلوؤن پر مفصل بحث کر کے جزیہ کی حقیقت واضح کی گئی ہے"

جزیہ کا لفظ! جزیہ کس زبان کا لفظ ہے؟ اس کے متعلق دو خیال ہین،

(۱) پہلا خیال یہ ہے کہ وہ عربی ہے، اس کا مادہ ج ز ی ہے، یہی خیال زیادہ عام ہے، طبری (۳۱۰ھ) جصاص (۳۷۰ھ) ابوبکر سجستانی (قبل ۳۸۶ھ) جوہری (۳۹۳ھ) راغب اصفہانی (اوائل ۵۰۰ھ) محی السنہ بغوی (۵۱۶ھ) زمخشری (۵۳۸ھ) مطرزی (۵۴۳ھ) مرغینانی (۵۹۳ھ) امام رازی (۶۰۶ھ) جمال قرشی (۶۸۱ھ) بیضاوی (۶۸۵ھ) نسفی (۷۱۰ھ) ابن مکرم (۷۱۱ھ) ابوحیان غرناطی (۷۴۵ھ) فیروزآبادی (۸۱۷ھ) مہائمی (۸۳۵ھ) بدر الدین عینی (۸۵۵ھ) جلال الدین محلی (۸۶۴ھ) جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) ابو السعود (۹۵۱ھ) شربینی (۹۷۷ھ) محمد طاہر (۹۸۶ھ) زبیدی (۱۲۰۵ھ) محمد اشرف (۱۲۴۲ھ) آلوسی (۱۲۷۰ھ) سید صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ) جو مشہور کتب تفسیر، فقہ اور لغت کے مصنف ہین، یہی لکھتے ہین،

(۲) دوسرا خیال یہ ہے کہ وہ فارسی ہے، اصل مین گزیت تھا، جس کے معنی خراج کے ہین، یہ خیال

Marfat.com

ابو عبداللہ محمد بن احمد بن یوسف خوارزمی (۳۸۷ھ) نے مفاتیح العلوم (ص ۵۹) مین ظاہر کیا ہے؛ اس کی کتاب ۱۸۹۵ء مین G. Van Vloten نے شائع کی ہے، اور ایک کتاب منتخب اللغات کے قلمی نسخہ مین بھی جو ناقص الاطراف ہے، یہی لکھا ہے' اس کتاب سے مراد اگر منتخب اللغات شاہجہانی ہے! تو اس کا مصنف عبدالرشید حسینی مدنی ٹھٹھہ (سندھ) کا رہنے والا تھا جس نے اس کتاب کو حسب روایت زیادہ سجایا، اور اسے ۱۰۴۶ھ مین تمام کیا،

گزیت کے دو تلفظ ہین، فردوسی کے ان اشعار

گزیتے نہادند بر یک درم   گرا یدون کہ دہقان بود و درم

گزیتے ز بار در شش درم   بخر ماستان برہمین زد رقم

اور نظامی کے اس شعر

گہش خاقان خراج چین فرستد   گہش قیصر گزیت دین فرستد

مین گزیت امیر کے وزن پر ہے، لیکن مفاتیح العلوم کے ناشر نے اس کو رہبر کے وزن پر پڑھا ہے،

جزیہ کا تلفظ | جزیہ کو جو لوگ معرب نہین مانتے، بلکہ عربی سمجھتے ہین، وہ اس کا تلفظ دو طرح پر کرتے ہین،

الف:- جِزیہ، جیم کے نیچے زیر یہ عام تلفظ ہے، جیسے شکوہ بمعنی شکایت،

ب:- جَزیہ، جیم کے اوپر زبر جیسے قعدہ اور جلسہ، یہ امام ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) نے اپنی مشہور تفسیر جامع البیان (ص ۸۰ ج ۱۰) مین اور امام ابو حیان غرناطی (۷۴۵ھ) نے بحر المحیط (ص ۳۰ ج ۵) مین لکھا ہے، دوسری کتاب مین قعدہ کی جگہ پر عقدہ چھپ گیا ہے جو غلط ہے،

تنقید | میرے نزدیک عربی جزیہ، معرب جزیہ سے زیادہ قدیم ہے، اور اس کے حسب ذیل دلائل ہین،

Marfat.com

(۱) یہ لفظ قرآن مجید مین موجود ہے، اور چونکہ آیت جزیہ ۹ھ مین نازل ہوئی ہے[1] اس لئے عربی ادبیات مین اس کو رواج پائے ہوئے تیرہ سو سا ٹھ برس کا زمانہ گذرا ہے،

(۲) عرب کے ایک جاہلی شاعر ابو کبیر ہذلی (عامر بن حلیس[2]) جنھون نے اسلام کا زمانہ بھی پایا ہے، اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فیضِ صحبت سے مشرف ہوئے ہین[3]، لسان العرب ابن مکرم (۷۱۱ھ) مین جو عربی زبان مین لغت کی سب سے بڑی کتاب ہے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے (ص ۹۵ جلد ۱)

وإذا الكماة تعاوروا طعن الكلى
نذر البكارة في الجزاء المضعف

اس مین جزار کا لفظ جزی اور جزیہ کی جمع ہے، اور یہ دونون لفظ جزیہ کی جمع ہین۔

(۳) حدیث کی کتابون مین یہ لفظ عام طور پر ملتا ہے،

(۴) امام ابو یوسف (۱۸۲ھ) نے کتاب الخراج، خاص خراج اور جزیہ پر لکھی ہے لیکن جزیہ کو معرب نہین کہا ہے،

(۵) امام یحییٰ بن آدم (۲۰۳ھ) نے بھی کتاب الخراج تصنیف کی ہے، اور اس مین بعض ایسے الفاظ بھی آئے ہین، جو معرب ہو کر مستعمل ہو چکے ہین، مثلاً زمین کے خراج کے لئے طسق (ص ۷۵) بیمانہ کے لئے دِصر، (ص ۵۵) یا دستجہ جو غالباً دستہ کا معرب ہے، (ص ۱۴۴) لیکن جزیہ کو معرب نہین لکھا ہے،

(۶) ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری (۲۸۲ھ) نے الاخبار الطوال مین بعض معرب الفاظ لکھے ہین جیسے شمشیر جو سمرہ کا معرب ہے لیکن جزیہ کے متعلق وہ بھی خاموش ہین،

---

[1] تفسیر ابن جریر ص ۶۵، ۶۷، ج ۱۰۔ [2] کتاب الشعر والشعراء ابن قتیبہ (۲۹۶) مطبوعہ لیڈن ۱۹۰۲ء۔
[3] اصابہ وغیرہ،

(۷) تمام مفسرین اور فقہا نے جزیہ کو عربی الاصل سمجھا ہے،

(۸) کوئی اہل لغت اس کو معرب نہین کہتا،

(۹) گزیت کا سب سے قدیم عربی ماخذ خوارزمی ہے، جس نے ۲۳۲ھ مین وفات پائی،

(۱۰) فارسی ماخذ مین گزیت کا لفظ سب سے پہلے فردوسی کے ہان ملتا ہے، جس نے ۴۱۱ھ مین انتقال کیا تھا، اس لحاظ سے اس لفظ کو فارسی اسلامی ادبیات مین آئے ہوئے نوسو اٹھاون برس ہوئے، اور یہ مدت عربی جزیہ سے بقدر ۱۴۴ برس کم ہے،

(۱۱) فارسی مین علم لغت کی پہلی کتاب ابوالحسن علی بن احمد اسدی طوسی نے لکھی، جس کا زمانہ زیادہ سے زیادہ چھٹی صدی ہجری سے قبل فرض کیا جا سکتا ہے، اس کتاب کا نام لغت فرس ہے، اور بقول مصنف بلخ، ماوراءالنہر اور خراسان (گویا ایران و ترکستان) کی فارسی کے الفاظ جمع کئے ہین، جو عربی کی آمیزش سے بالکل پاک ہین، اور ان کی سند مین اشعار بھی پیش کئے ہین، لیکن با این ہمہ اس کتاب مین گزیت کا لفظ نہین ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گزیت فارسی نہین، بلکہ جزیہ کا مفرس ہے،

(۱۲) گزیت کے جو معنی خوارزمی (۲۳۲ھ) نے لکھے ہین، بالکل وہی معنی جزیہ کے ان عربی مصنفین نے لکھے ہین، جو اُن سے مقدم تھے، مثلاً طبری (۳۱۰ھ) اور سجستانی (قبل ۳۳۰ھ) اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ معرب نہین، بلکہ گزیت مفرس ہے

(۱۳) چونکہ صحیح لفظ گزیت بروزن امیر ہے، جیسا کہ فردوسی اور نظامی کے اشعار سے ثابت ہے اس لئے جزیہ اُس سے معرب نہین ہو سکتا،

(۱۴) ان تمام باتون کے باوجود یہ امکان ضرور ہے کہ اسلام سے پیشتر یہ لفظ ایران سے یمن آیا ہو اور معرب ہو کر عرب مین رائج ہو گیا ہو لیکن یہ امکان ہی امکان ہے، شواہد سے اس کی تائید مشکل ہے،

Marfat.com

(۱۵) یہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ اسلام سے پیشتر نہ صرف ایران، بلکہ چین اور ہندوستان میں بھی جزیہ کا رواج تھا، اور اہلِ عرب تجارتی سلسلہ سے ان مقامات میں آتے جاتے تھے، اس لئے جس طرح یہ ممکن ہے کہ جزیہ کا لفظ ایران سے لیا گیا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ چین یا ہندوستان میں جزیہ کا طریقہ دیکھ کر اہلِ عرب نے اس کا عربی نام جزیہ رکھ لیا ہو۔

جزیہ کے معنی مفسرین فقہاء اور ائمہ لغت نے جزیہ کے معنی خراج کے لکھے ہیں،

(ا) امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری (۳۱۰ھ) جامع البیان (۱۰، ج ۱۰، مصر) میں لکھتے ہیں،

حتّٰی یعطوا الخراج عن رقابھم، یہاں تک کہ وہ اپنی گردنوں کی طرف سے خراج دیں،

(ب) امام ابو بکر محمد بن عزیز سجستانی جنھوں نے ۳۳۰ھ سے قبل وفات پائی، اپنی تصنیف غریب القرآن (عرف نزہتہ القلوب) ص ۴۲ (مصر ۱۳۲۵ھ) میں فرماتے ہیں،

الجزیۃ، الخراج المجعول علی راس الذمّی، جزیہ وہ خراج ہے جو ذمی کی ذات پر لگایا جاتا ہے،

(ج) شمس الائمہ ابو بکر محمد بن ابو سہل سرخسی (۴۸۳ھ) مبسوط (ص ۷، ج ۱۰ مصر) میں لکھتے ہیں:-

وضع خراج علی رؤوس الرجال آدمیوں پر فی راس خراج لگانا (جزیہ) ہے،

(د) محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود بغوی (۵۱۶ھ) کی معالم التنزیل (ص ۲۷ جلد ۲، بمبئی ۱۲۶۹ھ) میں ہے:-

وھی الخراج المضروبۃ علی اور وہ جزیہ ان (ذمیوں) کی گردنوں پر

Marfat.com

مقررہ خراج ہے،

ک - علامہ ابوالقاسم جاراللہ محمود زمخشری (م ۵۳۸ھ) کی اساس البلاغۃ (ص ۵ جلد ۱، مصر) میں مرقوم ہے،

واشتری من دھقان ارضا	اور اس نے کسی زمیندار سے زمین
علی ان یکفیہ جزیتھا ای	اس شرط پر خریدی کہ اس کا جزیہ
خراجھا،	یعنی خراج ادا کرے گا،

و - علامہ جمال الدین محمد بن مکرم (م ۷۱۱ھ) نے لسان العرب (ص ۱۵۹ ج ۱۸ مصر) میں لکھا ہے،

والجزیۃ خراج الارض والجمع جزی	جزیہ زمین کے خراج کو کہتے ہیں،
وجزی،	جزی اور جزی اسکی جمع ہے۔

ز - علامہ اثیر الدین ابوحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی (م ۷۴۵ھ) اپنی تالیف تحفۃ الاریب بما فی القرآن من الغریب (ص ۲۰، حماۃ ۱۳۲۵ھ) میں جس کا نام سیوطی نے نحاۃ (ص ۲۲) میں اتحاف الاریب لکھا ہے فرماتے ہیں،

الجزیۃ خراج المجعول علی راس	جزیہ وہ خراج ہے جو ذمی کے سر
الذمی،	پر لگایا گیا ہو،

(۴،۱۳)

ح - علامہ مجد الدین ابوطاہر محمد بن یعقوب فیروزآبادی (م ۸۱۷ھ) نے القاموس المحیط میں تحریر فرماتے ہیں،

والجزیۃ بالکسر خراج الارض	جزیہ (جیم کو زیر) زمین کا خراج ہے اور
وما یوخذ من الذمی	جو ذمی سے لیا جائے (وہ بھی جزیہ) ہے،

Marfat.com

ط - علامہ ابن احمد مہائمی (سنہ ۸۳۵ھ) کی تفسیر تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان (ص ۲۹۸ ج ۱) میں ہے،

وھی الخراج المضروب علی الرقاب،	اور وہ (جزیہ) خراج ہے جو گردنوں پر لگایا جاتا ہے،

ی - علامہ جلال الدین محمد بن احمد محلی (سنہ ۸۶۴ھ) اور علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (سنہ ۹۱۱ھ) کی تفسیر جلالین (ص ۱۵۷) میں ہے،

الخراج المضروب علیھم کل عام	(جزیہ) ان (ذمیوں) پر مقرر کیا ہوا سالانہ خراج ہے؛

ک - علامہ محمد بن احمد شربینی خطیب، جنہوں نے سراج المنیر کے نام سے ایک تفسیر سنہ ۹۶۸ھ میں تالیف کی، اس کے ص ۳۰۲ ج ۱ میں لکھتے ہیں:

وھی الخراج المضروب علی رقابھم،	اور وہ (جزیہ) خراج ہے جو ان (ذمیوں) کی گردنوں پر مقرر کیا جائے

ل - مولانا محمد طاہر جنہوں نے سنہ ۹۸۶ھ میں مجمع البحار الانوار کے نام سے ایک لغت تصنیف کیا، اس کی جلد اص ۱۷۰ میں لکھتے ہیں

من اخذ ارضا بجزیتھا لارض ای بخراجھا،	جو شخص کوئی زمین جزیہ یعنی خراج ادا کرنے کی شرط پر لے،

م - علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حسینی واسطی (سنہ ۱۲۰۵ھ) نے تاج العروس (ص ۳، ج ۱۰) میں قاموس کی مندرجہ بالا عبارت نقل کرکے اس کے ایک لفظ (وما یوخذ) کی یوں تشریح کی ہے:

(و) منہ (ما یوخذ)	اور جزیہ ہی ہے جو ذمی سے (عوض) لیا جاتا ہے

Marfat.com

ن - مولانا محمد اشرف لکھنوی نے ایک جماعت کے ساتھ مل کر، ضخیم جلدوں میں تاج اللغات تصنیف کی تھی، اس کتاب کے مصنفین اور سنہ تصنیف کا کچھ پتہ نہیں ہے، مولانا محمد اشرف کا نام مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے کتاب کی پہلی جلد کے سرورق پر تحریر فرمایا ہے، اور یہ عبارت لکھی ہے،

"یکے از مولفینش مولانا محمد اشرف لکھنوی است در سنہ ۱۲۴۴ھ وفات یافت"

بہرحال اس کتاب کے (ص ۲۵۵) میں ہے :-

"جزیہ بالکسر حاصل زمین و چیزے کہ گرفتہ شود از کفار اہل ذمہ"

س - امیر الملک والا جاہ نواب سید صدیق حسن خان (م سنہ ۱۳۰۷ھ) نے تفسیر فتح البیان (ج ۴ جلد ۴، مصر سنہ ۱۳۰۱ھ) میں لکھا ہے،

وهو الخراج المضروب على	اور وہ (جزیہ) خراج ہے جو گردنوں
رقابهم كل عام	پر سالانہ مقرر کیا جاتا ہے،

غرض سنہ ۳۱۰ھ سے سنہ ۱۳۰۷ھ تک جتنے مشہور عالم گذرے ہیں، بالاتفاق سب نے جزیہ کے معنی خراج کے لئے ہیں،

جزیہ کی اصطلاح | جزیہ کے لغوی معنی جو اوپر بیان کئے گئے، انہی سے اس کے اصطلاحی معنی متفرع ہوتے ہیں، لغت میں جزیہ کے معنی خراج کے ہیں، اب اگر وہ خراج رعایا کے ہر فرد سے بحساب فی کس سالانہ وصول کیا جائے، تو اس کو جزیہ کہا جائے گا، اور یہ عام معنی ہونگے، لیکن اگر وہ خراج سلطنت اسلام میں صرف غیر مسلم رعایا سے وصول کیا جائے، تو یہ شرعی اور اصطلاحی جزیہ ہوگا، اس سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں،

۱ - لغت میں جزیہ اور خراج محصول کو کہتے ہیں، خواہ وہ کسی چیز کا ہو، اور کوئی شخص ادا کرے

Marfat.com

۲- مسلم اور غیر مسلم رعایا پر انفرادی حیثیت سے جو محصول عائد ہو، لغت کے لحاظ سے اس کا نام جزیہ ہے، اس مین کوئی تفریق نہین ہے،

۳- صرف غیر مسلم رعایا جو فرداً فرداً محصول ادا کرے، اوس کو شرع کی اصطلاح مین جزیہ کہتے ہین، اور مسلم رعایا جو محصول ادا کرتی ہے، اس کو زکاۃ، صدقہ، اور دوسرے نامون سے تعبیر کیا جاتا ہے،

جزیہ اقوام غیر مین

جزیہ کے لغوی معنی سمجھنے کے بعد یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کا رواج دوسری قومون اور ملکون مین بھی تھا؟ ہندوستان، ایران، اور چین، اس کا جواب اثبات مین دیتے ہین،

ہندوستان مین جزیہ

منوشاستر سے جو ہندوستان کا مدنی اور سیاسی قانون ہے[1] اور جدید تحقیقات کے مطابق حضرت مسیح کے دو تین سو سال پیشتر تالیف ہوا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ رقاب (Kara) کا رواج ہندوستان مین کم از کم بائیس سو برس سے ہے، منو جی نے کتاب مذکور کے باب ۷ دفعہ مین جزیہ کے متعلق حسب ذیل دفعات درج کئے ہین :-

دفعہ ۱۲۸- جس طریق سے کام کرنے والے کو اور راجہ کو فائدہ ہو، اس طریق کو دیکھ کر راجہ اپنے محصولات کو تجویز کرے، جو کہ ہر شخص پر برابر ہو،

دفعہ ۱۳۳- ...... وید پڑھنے والے برہمن سے محصول نہ لیوے،

دفعہ ۱۳۷- راج مین چھوٹے آدمیون سے بھی تھوڑا سا گ، پتا، وغیرہ سال تمام مین بطور محصول کے لیوے،

دفعہ ۱۳۸- رسوئین بنانے والے و ہر قسم کے کاریگر و شودر و جسم کی تکلیف سے اوقات بسر کرنے والے

---

[1] تمدن ہند موسیو گستاولی بان مترجمہ مولانا سید علی بلگرامی ص ۲۱۰

(پیشہ دار وغیرہ) ان سبھون سے ہر مہینہ مین ایک دن کام کرائے، ان کا یہی محصول ہی،

دفعہ ۱۳۹ - اگر بہ تقاضائے محبت، محصول رعیت سے نہ لیوے تو راجہ اپنی جڑ اُکھاڑتا ہی،

دفعہ ۱۵۴ - آٹھ کامون کو .... بچارے، آٹھ کام یہ ہین، رعیت سی محصول لینا .... (باب ۸)

دفعہ ۳۹ - چیز مدفونہ یافتہ کے نصف حصہ کو لینے والا راجہ ہے، کیونکہ حفاظت کرتا ہی اور سب کا مالک ہے،

دفعہ ۳۹۴ - اندھا، بہرا، لنگڑا، ستر برس کی عمر والا، دھن دہانیہ سے ویدیا پاٹھون کا اُپکار کرنے والا، ان سبھون سے راجہ باوجود خالی ہونے خزانہ کے اپنے لینے کے لائق محصول کو نہ لیوے،

دفعہ ۴۰۵ - گاڑی وغیرہ محمولہ اشیاء وغیرہ سے بلحاظ چیز ہائے محمولہ کے سارا سار بچار کر کے محصول مقرر کرنا چاہئے، اور جس گاڑی وغیرہ مین اشیا وغیرہ نہین ہے اور جو آدمی کچھ سامان وغیرہ نہین رکھتا، اُنھون سے تھوڑا محصول لینا چاہئے،

ان دفعات سے اصولی طور پر پتہ چلتا ہے، کہ۔

(۱) پیشہ ور اور غیر پیشہ ور سب پر جزیہ تھا (۲) عورتین مستثنیٰ نہ تھین اور نہ بچے مستثنیٰ تھے (۳) غیر مستطیع لوگون کو بھی کچھ نہ کچھ دینا پڑتا تھا (۴) معذور، زیادہ معمر اور برہمن مستثنیٰ تھے (۵) مزدور، چمار، نوکر، جو محصول ادا کرنے کے قابل نہ تھے، اُن سے محصول کے عوض ہر مہینہ مین ایک دن بیگار لی جاتی تھی (۶) خراج نہ لینا، سلطنت کی بیخ کنی کے مرادف تھا (۷) محصول ہر شخص پر برابر تھا،

ایران مین جزیہ | ایران مین جزیہ کب سے رائج تھا؟ اس کا صحیح جواب ہم نہین

Marfat.com

دیکھئے، البتہ اتنا معلوم ہے کہ نوشیروان سے پہلے بھی اس کے وصول کرنے کا دستور تھا، طبری (ص ۹۶۰ ج ۲) میں ہے،

وکان ملوک فارس یأخذون من کور من کورھم قبل ملک کسری انوشروان فی خراجها الثلث ومن کور الربع، ومن کور الخمس، ومن کور السدس علی قدر شربها وعمارتها، ومن جزیة الجماجم شیئا معلوما

اور ایران کے بادشاہ نوشیروان سے پہلے خراج میں بعض صوبوں سے تہائی بعض سے چوتھائی بعض سے پانچواں بعض سے چھٹا حصہ شادابی اور پیداوار کے مطابق لیا کرتے تھے، اور کھوپڑیوں کے جزیہ میں بھی کچھ مقرر رقم وصول کیجاتی تھی

قباد بن فیروز نے اخیر زمانہ سلطنت میں خراج کی صحیح تشخیص کرانی چاہی، لیکن اس کا انتقال ہو گیا، اور اس کام کو اس کے بیٹے نوشیروان نے انجام دیا، طبری (حوالہ سابق) میں ہے،

حتی اذا ملک ابنه کسری امر باستتمامها واحصاء النخل والزیتون والجماجم ..... وامر کاتب خراجه ان یقرأ علیهم الجمل التی استخرجت من اصناف غلات الارض، و عدد النخل والزیتون والجماجم

جب اس کا بیٹا کسری بادشاہ ہوا تو اس نے اس کام کو مکمل کرایا، کھجور، زیتون اور کھوپڑیاں شمار کی گئیں ...... اور محکمۂ خراج کے سکریٹری کو حکم ہوا کہ لوگوں کو وہ اعداد پڑھ کر سنائے جو زمین کے متعدد اقسام کے غلوں اور کھجور، زیتون، اور کھوپڑیوں کی تعداد کے متعلق درج تھے،

کسری نوشیروان نے اس تشخیص کی وجہ یہ بتلائی ہے،

Marfat.com

انا قد رأینا ان نضع علی ما احصی
من جربان هذه المساحة
من النخل والزیتون والجماجم
وضائع، ونامر بانجامها فی
السنة فی ثلثة انجم، وتجمع فی
بیوت اموالنا من الاموال ما لو
أتانا من ثغر من ثغورنا او طرف
من اطرافنا فتق او شئ نکرهه
واحتجنا الی تدارکه او حسمه
ببذل لنا فیه مالا کانت الاموال
عندنا معدة موجودة، و
لم نرد استئناف اجتبائها علی
تلک الحال (طبری ۶۰۹-۶۱۰ جلد ۲)

بادولت کی راے ہے کہ بادولت کھجور
اور زیتون کی پیمایش شدہ جریبون پر
کھوپڑیون پر ٹیکس لگائین، اور سال
مین اُن کو تین قسطون مین ادا کرنے کا
حکم دین، تاکہ بادولت کے خزانون مین
اس قدر دولت جمع رہے، کہ اگر کبھی کسی
سرحد یا کسی سمت سے کوئی بغاوت یا
بدامنی رونما ہو، اور بادولت کو اس
کے تدارک یا قلع قمع کرنے مین روپیہ خرچ
کرنے کی ضرورت پڑے تو وقت پر
ہمارے پاس روپیہ موجود رہے اور
نئے سرے سے اس وقت بادولت کو
روپیہ جمع کرنے کی ضرورت نہ پیش آئے

اور اس جزیہ کی شرح یہ تھی،

والزموا الناس الجزیة ما خلا
اهل البیوتات والعظماء و
المقاتلة والهرابذة والکتاب
ومن کان فی خدمة الملک،
وصیروها علی طبقات اثنی

اور لوگون پر انھون نے جزیہ لگایا سوائے
اونچے گھرانون، معززین، فوج پیشوایان
مذہبی، محرر اور ملازمین شاہی کے، اور
اور اس (جزیہ) کی چند شرحین رکھین،
یعنی بارہ درہم، اور آٹھ اور چھ اور چار،

Marfat.com

عشر درھماً و ثمانیۃ و ستۃ و	آدمی کی ثروت اور فقر کے لحاظ سے، اور
اربعۃ کقدر اکثار الرجل و	جس شخص کا سن بیس سے کم یا پچاس سے
اقلالہ ، ولم یلزموا الجزیۃ	اوپر تھا، اس پر جزیہ نہیں لگایا،
من کان اتی لہٗ من السن	
دون العشرین او فوق الخمسین	

(طبری ص ۹۶۲ ج ۲)

ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ

۱- ایران میں انسانوں پر محصول عائد تھا،

۲- ان محاصل کا مقصد بغاوتوں کے رفع کرنے اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاری تھی،

۳- بیس برس سے کم اور پچاس سال سے زیادہ کے آدمی محصول سے مستثنیٰ تھے،

۴- عورتیں مستثنیٰ نہ تھیں،

۵- جزیہ حسب حیثیت تھا،

۶- اونچے گھرانے، معززین، فوج، مذہبی پیشوا، منشی، اور سلطنت کے ملازم جزیہ ادا نہیں کرتے تھے

چین میں جزیہ | چین میں جزیہ زمانہ عرصہ سے تھا مسلمانوں میں پہلا مصنف جس نے اس کا تذکرہ کیا، سلیمان تاجر ہے جس نے اپنا سفرنامہ ۲۳۷ھ کے حدود میں لکھا ہے، وہ لکھتا ہے،

ولکن علیھم جزیۃ علی الجماجم	اور لیکن ان پر حالات کے مطابق جزیہ ہر
الذکور حسبما یرون من الاحوال	جو سروں (مردوں) سے لیا جاتا ہے
وان کان بھا احد من العرب	اور اگر وہاں عرب یا دوسرے ملک کا
او غیرھم اخذ منہ جزیۃ مالہ	کوئی شخص ہوتا ہے، تو اس سے اس کے

Marfat.com

لیحرز ماله،

(سفرنامہ ص ۴۰)

مال کا جزیہ لیا جاتا ہے تاکہ اوس کے مال کی حفاظت کیجائے۔

دوسری جگہ لکھتا ہے،

ولیس علیھم خراج فی ضیاعھم وانما یوخذ من الرؤوس علی قدر اموالھم وضیاعھم (ص ۴۲)

اور ان پر جائداد کا خراج نہین ہے، بلکہ سرون (مردون) سے مال اور جائداد کا تخمینہ کرنے کے بعد (جزیہ) لے لیا جاتا ہے،

آگے چل کر کہتا ہے،

فاذا بلغ ثمانی عشرۃ سنۃ اخذت منہ الجزیۃ فاذا بلغ ثمانین سنۃ لم توخذ منہ جزیۃ (ص ۴۲)

جب وہ (مرد) اٹھارہ برس کا ہوتا ہے تو اس سے جزیہ لیا جاتا ہے، اور جب اسی برس کو پہونچتا ہے، تو جزیہ نہین لیا جاتا،

اس سے چند باتین معلوم ہوتی ہین،

(۱) چین مین دو قومین آباد تھین چینی اور مسلمان (۲) چینیون سے حسب حیثیت جزیہ لیا جاتا تھا (۳) جزیہ مین مردون کی تخصیص تھی (۴) عورتین مستثنیٰ تھین (۵) اٹھارہ اور اسی سال کے درمیان عمر والون سے جزیہ لیتے تھے، اٹھارہ سے کم اور اسی سے زیادہ عمر کے لوگ مستثنیٰ تھے (۶) عرب اور دوسری قومین جو تجارت کے سلسلہ سے وہان قیام پذیر تھین، ان سے جزیہ رقاب نہین لیا جاتا تھا، یہ لوگ شرح مال کا محصول ادا کرتے تھے (۷) غیر قومون سے جزیہ کی وصولی حفاظت مال کی غرض سے تھی،

اسلام مین جزیہ ہندوستان ایران اور چین کی طرح سلطنت اسلامیہ مین بھی رعایا پر جزیہ تشخیص کیا گیا جس کو لین پول، اور سر گیز کی طرح ہم بلا تامل "جزیہ رقاب" نہین کہہ سکتے، اسلامی سلطنت مین چین کی طرح دو قسم کی رعایا تھی، مسلم اور غیر مسلم، اور چونکہ دونون مین سلطنت کی امداد اور ملک کی حفاظت

کے متعلق قدرتی طور پر نقطۂ نظر کا اختلاف پایا جاتا تھا، اس لئے ضرور تھا کہ دونون کے لئے جزیہ کی شرح مختلف ہو اور اس کا علٰحدہ علٰحدہ نام رکھدیا جائے تاکہ سننے والون کو سمجھنے مین آسانی ہو، اسی بنا پر مسلمانون کے محصول کا نام زکوٰۃ اور غیر مسلمون کے خراج کا نام جزیہ رکھا گیا، معنی کے لحاظ سے زکوٰۃ یا جزیہ مین شرف یا ذلت کا کوئی پہلو نہین ہے،

زکوٰۃ اور جزیہ کا فرق | چونکہ مسلم اور غیر مسلم رعایا کی ذمہ داریان کسی حد تک مختلف تھین، اس لئے ان کے محصولون (زکوٰۃ اور جزیہ) کے تشخیص مین بھی اس کا لحاظ رکھا گیا،

مسلمانون کی سلطنت قومی تھی اور ضرورت کے وقت ان کو مال تو مال خود جان سے بھی دست بردار ہونا پڑتا تھا، اس لئے ان کے محصول مین "ایثار" کے جذبہ کو بہت زیادہ سامنے رکھا گیا، چنانچہ ان پر (۱) زکوٰۃ مقرر کی گئی، جو مختلف انواع کی جامع تھی، مثلاً

(ا) اونٹون پر زکوٰۃ (ب) کھجور پر زکوٰۃ (ج) مسکوک سونے چاندی پر زکوٰۃ (د) معادن پر زکوٰۃ، (ھ) دفینہ پر زکوٰۃ (و) زیور، بے سکہ سونا اور عنبر پر زکوٰۃ (ز) یتیمون کے مال پر زکوٰۃ (ح) میراث پر زکوٰۃ (ط) قرض کی پر زکوٰۃ (ی) مال تجارت پر زکوٰۃ، (ک) بکریون پر زکوٰۃ (ل) گائے پر زکوٰۃ (م) تجارتی گھوڑون پر زکوٰۃ، (ن) پھلون پر زکوٰۃ، (س) عیدالفطر کی زکوٰۃ،

ان انواع مین سے اگر چند کا بھی کوئی مسلمان محصول (زکوٰۃ) ادا کرے تو اچھی خاصی رقم ہو جاتی ہے بخلاف اس کے غیر مسلم رعایا کی ہمدردی زیادہ سے زیادہ "عزت وطن" کے نام سے حاصل کیجا سکتی تھی، جو اگرچہ اس وقت بھی اجنبیون (عرب) کے قبضہ مین تھا تاہم دوسرے اجنبیون (مخالفین عرب) کے ہات مین جانے سے اس کے امن و امان اور نظم و نسق میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو سکتا تھا، اس بنا پر غیر مسلم رعایا سے واجبی محصول یا جبری واجب (Compulsory dues) کا اتنا

جاتا گیا، جو زکواۃ سے مقدار مین کم اور اس کی طرح گوناگون نہ تھا، اور یہ ایک صریح رعایت تھی،

(۲) مسلمانون کا محصول (زکواۃ) ایک مذہبی فرض تھا جس کو وہ کارِ خیر سمجھ کر ثواب کے لئے ادا کرتے تھے، اس لئے اس کی مقدار زیادہ ہونے مین کچھ ہرج نہ تھا، بخلاف اس کے غیر مسلمون کا محصول (جزیہ) محض سیاسی تھا، جس پر اُن کے عقیدہ کے مطابق کوئی اُخروی ثواب مرتب نہین ہوتا تھا، اس لئے اس کی شرح زیادہ نہین رکھی گئی،

۳۔ مسلمانون کا محصول معاف نہین ہو سکتا تھا، کیونکہ وہ مذہبی فرض تھا، لیکن غیر مسلمون کا محصول (جزیہ) نقدی شکل مین معاف ہو سکتا تھا، موانید کا مسئلہ جزیہ کے باب کا ضروری مسئلہ ہے، مبسوط (ص ۸۲ ج ۱۰) مین اس کے متعلق جو کچھ ہے ذرا تفصیل کے ساتھ ہے، اور امام اعظمؒ اور صاحبینؒ کے اختلافات دکھائے ہین لیکن فتاوے سراجیہ مین جو ۵۶۹ھ کی تصنیف ہے یعنی مبسوط کے بعد کی ہے، اس مسئلہ کو بلا اختلاف ذکر کیا ہے اور "موانید" کے معنی بھی تبلائے ہین یعنی فی الفارسیۃ ماندہا اس مسئلہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ذمی (غیر مسلم) پر برسون سے جزیہ باقی چلا آتا ہو، تو اس کا مطالبہ نہ کیا جائے گا، بلکہ جس سال حاکم مطالبہ کرے گا، اسی سال کا جزیہ ادا کرنا ہوگا، اور اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ فقہا جزیہ کو قرض نہین سمجھتے، بلکہ عطیہ اور صلہ سمجھتے ہین، مبسوط مین ہے،

لان الجزیۃ صلۃ مالیۃ ولیست بدل عن واجب (ص ۸۰ ج ۱۰)	اس لئے کہ جزیہ ایک مالی صلہ ہے ذاتی قرض نہین،

(۴) مسلمانون کی زکواۃ مین تخفیف نہین ہو سکتی لیکن جزیہ مین کمی کی جا سکتی ہے، چنانچہ نجران کے وہ عیسائی جو عراق چلے گئے تھے، انھون نے حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت مین تخفیف جزیہ کی درخواست کی تو امیر المؤمنین نے ولید بن عقبہ حاکم عراق کے نام ایک فرمان بھیجا، جس میں یہ فقرے

---

۵۱ کشف الظنون ج ۲ ص ۱۹۷، ۵۲ فتاوی سراجیہ قلمی باب الجزیہ،

بھی تھے۔[1]

وانی قد خففت عنهم ثلاثین حلة من جزیتهم — مین نے اُن کے جزیہ سے تیس حلّے کم کردیئے۔

یحییٰ بن آدم (۲۰۳ھ) نے اپنی تصنیف کتاب الخراج مین جو ابھی حال مین چھپی ہے، لکھا ہے کہ حسن (شاید حسن بن صالح) کا قول تھا کہ جن لوگون پر حضرت عمرؓ نے ۴۸، ۲۴، ۱۲ کے شرح سے جزیہ مقرر کیا تھا، اُن پر اُس سے زیادہ نہ مقرر ہونا چاہیے، اور ان مین سے جو ادا نہ کرسکتا ہو اُس کے جزیہ مین تخفیف کردی جائے، کیونکہ حضرت عمرؓ یہ بھی فرماتے تھے کہ اُن کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دیجائے۔[2]

۵۔ مسلمانون مین جو صاحب نصاب ہو وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہین ہوسکتا لیکن غیر مسلم خدمات کے صلہ مین نقد رقم جزیہ سے مستثنیٰ ہوسکتے ہین، چنانچہ عراق، آذربائیجان، آرمینیہ، جرجان کے فتوحات کے سلسلہ مین طبری نے حضرت عمرؓ کے فرامین اس مضمون کے متعلق نقل کئے ہین (واقعات سنہ ۱۸ھ، سنہ ۲۲ھ ہجری)

۶۔ اگر کوئی اسلامی ملک دشمن کے نرغہ مین ہو تو مسلم رعایا کا محصول (زکوٰۃ) واپس نہین کیا جاتا، لیکن غیر مسلم رعایا کا جزیہ واپس کردیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے شام کے تمام عمال سے نہ صرف جزیہ بلکہ خراج تک واپس کرادیا تھا۔[3]

۷۔ زکوٰۃ مسلمان عورتون اور بوڑھون بلکہ یتیم بچون سے بھی وصول کیجاتی تھی، لیکن جزیہ غیر مسلم بچون، عورتون اور بوڑھون سے نہین لیاجاتا تھا۔

---

[1] کتاب الخراج امام ابویوسف ص ۲۴ [2] کتاب الخراج یحییٰ بن آدم قرشی ص ۲۳۔

[3] کتاب الخراج امام ابویوسف ص ۸۱۔

Marfat.com

۸۔ زکوٰۃ مسلمانون کے مختلف ذرائع آمدنی سے وصول کی جاتی تھی لیکن جزیہ کی یہ حالت نہ تھی،

۹۔ روپیہ کی تعداد زیادہ ہونے سے زکوٰۃ کی رقم بڑھتی جاتی ہے، لیکن جزیہ بڑے سے بڑے مالدار شخص کو بھی ۴۸ درہم سالانہ سے زیادہ نہین ادا کرنا پڑتا اور رقم جزیہ کی زیادتی کے شاکی، اور غیر مسلم رعایا کی اقتصادی حالت کے مرثیہ خوان مرتبہ ہوتا تو سرکار کو حساب لگاکر دیکھنا چاہئے تھا کہ ایک مسلمان اور ایک غیر مسلم پر محصول کا بار کس تناسب سے پڑتا تھا ؟

۱۰۔ زکوٰۃ کا نصاب متعین ہے لیکن جزیہ کی کوئی شرح متعین نہین، اسی لئے اس مین فقہاء مختلف الرائے ہین، جزیہ کا تقرر دو طرح پر ہوتا ہے، صلح سے کوئی رقم طے ہو جائے، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوس سے اور نجران کے عیسائیون سے جزیہ طے فرمایا تھا، ایسے جزیہ کی رقم پر اضافہ نہین ہو سکتا،

غلبہ کے بعد بادشاہ جزیہ مقرر کرے، اس مین بادشاہ کو کمی بیشی کا اختیار ہوتا ہے، احکام القرآن مصنفہ امام ابو بکر احمد بن علی رازی، الجصاص (م ۳۷۰ھ)، اور رمز الحقائق شرح کنز مصنفہ قاضی بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی (م ۸۵۵ھ) وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے جزیہ کی رقم متعین کرنے مین فقہاء نے اختلاف کیا ہے، حنفیہ اور حسن بن صالح ۱۲، ۲۴، ۴۸ درہم سالانہ یا ایک دو اور چار درہم ماہوار مقرر کرتے ہین، جو حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے ثابت ہے، امام مالکؒ کے نزدیک ہر بالغ پر چار دینار یا ۴۰ درہم ہین، امام شافعیؒ ایک دینار فی کس تجویز فرماتے ہین، اور امام احمدؒ تشخیص کا کام بادشاہ پر چھوڑتے ہین[1]

ان رعایتون اور خصوصیتون کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی ذی عقل جزیہ کو غیر ضروری ٹیکس خیال نہین کر سکتا،

جزیہ کی حیثیت | جیسا کہ اوپر کے عنوان سے معلوم ہوا ہوگا، جزیہ کی حیثیت محض سیاسی تھی، یعنی اس کو

---

[1] احکام القرآن ج ۳ ص ۹۲ و رمز الحقائق ج ۱ ص ۲۲۰،

Marfat.com

مذہب سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ تھا، اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کے تعین کا باعث کیا تھا؟ کس مقصد کو سامنے رکھکر اس کی تشخیص ہوئی؟ اور اس کو کس چیز کا معاوضہ یا بدل قرار دیا گیا؟ اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں،

جزیہ جان کا محصول ہے | مبسوط وغیرہ میں بعض علماء کے جو اقوال نقل کئے گئے ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ جان کا معاوضہ ہے کیونکہ غیر مسلم جزیہ قبول کرکے قتل سے محفوظ رہتے ہیں، یہ وہی خیال ہے، جس کی بنیاد پر لین پول نے مڈیول انڈیا میں اور جدوناتھ سرکار نے تاریخ عالمگیر میں جزیہ کو (p. 50-، ص ۱۲۵-۱۲۲ ۔) کہا ہے لیکن درحقیقت اس خیال کی کوئی اصل نہیں، شمس الائمہ سرخسی نے اس کو نقل کرکے خود تردید فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں،

ثبت الحقن ليس بالمال، بل بانعدام علة الاباحة وهو القتال،	قتل سے محفوظ رہنا مال کی وجہ سے ثابت نہیں ہوا، بلکہ (خون) مباح ہونے کی علت یعنی لڑائی کے نہ ہونے کی وجہ سے (ثابت) ہوا ہے،
(مبسوط ص ج ۱۰)	

دوسری جگہ فرماتے ہیں،

ولا هو بدل عن حقن الدم، لان الآدمي في الاصل محقون الدم، والاباحة بعارض القتال، فاذا زال ذلك بعقد الذمة عاد الحقن	اور نہ وہ (محصول) حفاظتِ خون کا بدل ہے، کیونکہ آدمی درحقیقت خون (جان) کے لحاظ سے محفوظ پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی اوس کو مارنے کا کسی کو حق نہیں) اور (خون کا) مباح ہونا لڑائی پیش آنے کے سبب سے ہوتا ہے پس

Marfat.com

آگے اصل: (صفحہ ۱۸ ج ۱۰)

> جب یہ عارض (اسلام لانے) ذمہ کے معاہدہ کے سبب دور ہو جائے، تو حقن (حفاظت) جان کے محفوظ رہنے کا اصلی حق) واپس آجائیگا

جزیہ جان و مال کا محصول ہے یہ خیال بہت قدیم ہے کہ جزیہ جان و مال کا محصول ہے، اس کا منشا یہ ہے کہ جان اور مال سے حفاظت کی ادائیگی کرنے کے بجائے اس کو ایک خاص محصول دینا ادا کرنی ہے، اور یہ خاص شخص کے کام کرنے کے متعلق ہو جاتا ہے منوشاستر (باب ۸ دفعہ ۴۴) سے ہندوستانیوں کا ادراک نوشیروان کے قوانین (ارشاد، جریر طبری ص ۹۶۰ - ۹۶۲ ج ۲) سے ایرانیوں کا جزیہ کے متعلق یہی خیال معلوم ہوتا ہے، مسلمانوں میں قرون اولی کے بعض حضرات مثلاً حضرت ابو عبیدہؓ وغیرہ نے اور فقہاء میں مرغینانی (۵۹۳ھ) نے ہدایہ میں اور ابن نجیم (۹۷۰ھ) نے البحر الرائق میں اسی کو ظاہر کیا ہے کہ غیر مسلموں کا جزیہ نوکری نہ دینے سے شرکت نہ ہونے کا محصول ہے۔

تعجب ہے کہ مسٹر جیورڈانی ہمارے اس کو یہ خیال کرتے ہیں اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ۵۴۱ء (ابتدائے اسلام) تک جزیہ خود ترکی میں مذہبی آزادی کا معاوضہ سمجھا جاتا تھا، اس کے بعد فوجی خدمت سے آزادی کا معاوضہ قرار پایا، لیکن اُن کو معلوم نہیں کہ جس مصنف (شبلی نعمانی مرحوم) کی طرف وہ اس نظریہ کو منسوب کر رہے ہیں اس سے بہت پہلے پہلی صدی ہجری میں خود صحابہ کرام اور چھٹی صدی ہجری کے بعض مشہور فقہاء کا یہی نظریہ معلوم ہوتا ہے۔ اور مذہبی آزادی کا معاوضہ ہونا تو یہ اکثر فقہاء کا جزیہ کے متعلق خیال نہیں ہے، اور نہ اس کو کوئی خاص وقعت دی گئی ہے۔

جزیہ کفر کا محصول ہے امام ابوبکر جصاص (م ۳۷۰ھ) نے احکام القرآن میں قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ

لہ: تاریخ کامل ابن اثیر حاشیہ ص ۳۴۳ ج ۱۲

معافری اندلسی (م ۵۴۳ھ) نے جو "ابن العربی" کے نام سے مشہور ہیں، احکام القرآن میں، مرغینانی (م ۵۹۳ھ) نے ہدایہ میں، حافظ الدین ابو البرکات عبداللہ بن احمد نسفی (م ۷۱۰ھ) نے مدارک التنزیل میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ جزیہ کفر کا محصول تھا، یا بالفاظ دیگر مذہبی آزادی کا معاوضہ تھا، لیکن اس کا ثبوت قرآن مجید یا حدیث سے نہیں مل سکتا،

جزیہ مکان کا محصول ہے

شمس الائمہ سرخسی (م ۴۸۳ھ) نے مبسوط میں، اور محمد بن احمد شربینی خطیب (موجود ۹۶۲ھ) نے تفسیر سراج المنیر میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جزیہ سکونت کا معاوضہ ہے، اس طرح اس کی حیثیت کرایۂ مکان یا محصول مکان (House-Tax) کی ہے، مبسوط میں اس کو بعض کا قول کہہ کر اس طرح تشریح کی گئی ہے،

فان قیل انہ بدل عن السکنیٰ	بعض نے کہا ہے کہ وہ (جزیہ) سکونت
لانہ مع الاصرار علی الکفر	کا بدلہ ہے، کیونکہ وہ (ذمی) کفر پر قائم رہ
لا یکون من اہل دار الاسلام	کر دار الاسلام کے (اصلی) باشندوں میں
اصلاً ولا یمکن من السکنیٰ	کبھی شامل نہیں ہو سکتا، اور دوسرے
فی دار الغیر الا بکراء،	کے گھر میں سکونت کرایہ کے بغیر ممکن
(ص ۸۰، ج ۱۰)	نہیں،

پھر آگے چل کر اس خیال کی تردید کرتے ہیں،

لانہ بعقد الذمۃ صار من اہل	کیونکہ وہ ذمہ کا معاہدہ کر کے ہمارے گھر
دارنا، فانما یسکن دار نفسہ	والوں میں سے ہو گیا، تو وہ اپنے گھر میں
ولا یسکن ملکہ نفسہ حقیقۃ	رہتا ہے، البتہ اپنی ملکیت میں دراصل
وقولنا دار الاسلام نسبۃ الی	نہیں رہتا، (کیونکہ اب اصلی ملکیت اسلام

للولایۃ،	کی ہوگئی ہے) اور ہمارا قول دارالاسلام
(صفحہ ج ۱۰)	ولایت (تولیت) کی نسبت کے سبب ہے،

اس تردید کے الفاظ پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ امام سرخسی غیر مسلم آبادی کو اس سے بلند سمجھتے ہیں کہ اس کو سلطنتِ اسلام کا "کرایہ دار" فرض کریں،

جزیہ امن کا محصول ہے

امام ابوحیان غرناطی اثیر الدین ابوعبداللہ محمد بن یوسف جیانی (م ۷۴۵ھ) نے تفسیر البحر المحیط میں لکھا ہے کہ جزیہ امن کا معاوضہ ہے،

جزیہ کسی چیز کا محصول نہیں بلکہ مالی امداد ہے

ان نظریات کے نقل کرنے کے بعد اب ہم اس مقام پر پہنچے ہیں جہاں دراصل غیر مسلم رعایا کی صحیح منزلت اور جزیہ کی اصل حقیقت نظر آتی ہے، شمس الائمہ سرخسی (م ۴۸۳ھ) جنہوں نے ۳۰ جلدوں میں المبسوط لکھی ہے، جو فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں سب سے بڑی کتاب ہے، جزیہ کے متعلق یہ خیال ظاہر فرماتے ہیں کہ وہ کسی چیز کا معاوضہ یا محصول نہیں ہے، بلکہ مالی امداد ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں،

لان الجزیۃ صلۃ مالیۃ (ص ج ۱۰)	کیونکہ جزیہ مالی امداد ہے،

دوسری جگہ لکھتے ہیں،

فاذا ثبت انہ لیس بعوض عن شیئ عرفنا انہ صلۃ،	جب یہ ثابت ہوگیا کہ وہ (جزیہ کا مال) کسی چیز کا عوض نہیں، تو ہم نے
(ص ۸۲)	سمجھا کہ وہ (مال) صلہ ہے،

ان الفاظ کو پڑھو اور بار بار پڑھو کیا یہ وہی جزیہ ہے جس کو یورپ اور ہندوستان کے غیر مسلم حد درجہ ذلت آمیز اور نفرت انگیز خیال کرتے ہیں، اور جس کے باعث ان کے دلوں میں اسلامی سلطنتوں کی طرف سے بغض و عناد بھرا ہوا ہے، محکوم قوموں کے محصول کا مالی امداد نام رکھنا فاتح و مفتوح کی

135041

اس مساویانہ حیثیت کو نمایاں کرتا ہے جس کی نظیر خود اعتراض کرنے والوں کی قومی تاریخوں میں بھی نہیں مل سکتی،

جزیہ ایک خاص عطیہ ہے، شمس الائمہ سرخسی کا نظریہ بیان کرنے کے سلسلہ میں اب یہ دکھانا ضروری ہو گیا ہے کہ مشرق کی طرح مغرب بھی غیر مسلمین کا اسی فراخ دلی سے خیر مقدم کرتا تھا، اور سلطنت اسلامیہ کے پورے طول و عرض سے جزیہ کے متعلق ایک ہی آواز آتی تھی، ابن العربی اندلسی قاضی ابوبکر معافری (۵۴۳ھ) نے جزیہ کو ایک مخصوص عطیہ لکھا ہے، جس سے ان شریفانہ جذبات کا پتہ چلتا ہے، جو غیر مسلم رعایا کے احترام کے متعلق اسلامی قانون سازوں اور قانون دانوں کے دلوں میں موجود تھے، اور جنھوں نے فقہ (قانون) کی کتابوں میں جگہ پاکر عملی حیثیت اختیار کر لی تھی، کیا وہ محصول جو "مالی امداد" ہو "عطیہ خاص" ہو کسی شخص کی دل آزاری یا ذلت کا باعث ہو سکتا ہے؟ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است
گل است سعدی و در چشم دشمنان خار است

جزیہ نشان فرمانبرداری ہے اس حد تک لکھنے کے بعد اب یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، کہ جزیہ فرمان بردار رعایا ہونے کی ایک علامت ہے، آج بھی جو رعایا محصول ادا نہیں کرتی، باغی سمجھی جاتی ہے، اسی طرح اسلامی حکومت کے زمانہ میں جو لوگ جزیہ نہیں دیتے تھے، حربی (جنگجو) سمجھے جاتے تھے، اور جزیہ ادا کرنے والے سلطنت کے مطیع اور فرمانبردار متصور ہوتے تھے، شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں،

لان الذمی ملتزم احکام الاسلام	کیونکہ ذمی اسلام کے ان احکام کا پابند
فیما یرجع الی المعاملات،	ہوتا ہے، جو معاملات سے متعلق ہیں،

(مبسوط ص ۸۴ ج ۱۰)

Marfat.com

(۲)

جزیہ اور قرآن | جزیہ کے متعلق یہ غلط فہمی رفع کرنے کے بعد کہ وہ ذلت کا مرادف تھا آیت جزیہ پر بحث اور مفسرین کے اقوال سے صغار کی تشریح کی جاتی ہے، سر جدوناتھ سرکار کی طرح بہت سے معترضین اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں، اور اس سے جزیہ کی ذلت کا مفہوم نکالتے ہیں، بلاشبہ بعض مفسرین اور فقہا نے جزیہ کو ایسا ہی سمجھا ہے لیکن اسلامی حکومتوں کے عمل سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی، اس لئے اس کی حیثیت ان فقہا اور مفسرین کے ذاتی اقوال سے زیادہ نہیں ہے۔

قرآنی تعلیمات پر عمل کا سب سے کامل نمونہ عہد رسالت اور عصر خلفائے راشدین ہے، اور ان مبارک زمانوں میں صغار (ذلت) کا مطلق پتہ نہیں چلتا، چنانچہ مفسرین کی جماعت میں سے ایک بڑے عالم علامہ محمد بن احمد شربینی خطیب جنہوں نے تفسیر سراج المنیر ۹۶۸ھ میں تالیف کی تھی، اپنی اسی کتاب (ص ۲۰۲ جلد ۱) میں لکھتے ہیں۔

تفسیر کہ ان یجلس الآخذ ..... اور اس کی یہ تفسیر کہ یوں غیر مسلم کو ذلیل

Marfat.com

مردودٌ، بانّ هذه الهيئة باطلة ودعوى سنيتها او وجوبها اشدّ بطلانًا، ولم ينقل انّ النبي صلّى الله عليه وسلّم ولا احدٌ من الخلفاء الراشدين فعل شيئًا من ذالك وعلى تفسيرها بما ذكر يمتنع التوكيل اذا قيل بوجوبه

کیا جائے) مردود ہے کیونکہ یہ (ذلیل کرنے کی) شکل غلط ہے اور اس کے سنت یا واجب ہونے کا دعوی کرنا اور بھی غلط ہے اور یہ منقول نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین میں سے کسی نے اس میں سے کچھ بھی کیا ہو، (یعنی ذلت کا کوئی طریقہ بھی اختیار کیا ہو) اور اس تفسیر کے بموجب جب یہ ہیئت تذلیل بھی ضروری ہو تو

[illegible]

(ابو حیان غرناطی اور ابن قیم وغیرہ کی تشریحات آگے آتی ہیں)

قرآن کے ایک شارح اور عالم اسلامی کے ایک مشہور مفسر کے اس دعوی کے بعد ہم کو حق پہنچتا ہے کہ پروفیسر جادو ناتھ سرکار کی تاریخ دانی سے ان واقعات کا استفادہ کریں جو غیر مسلموں سے وصول جزیہ کے وقت اسلامی دفاتر میں بطور اہانت و تذلیل پیش آئے ہوں، اسرکار نے جو کچھ لکھا ہے، وہ بے شبہ بعض کتابوں میں موجود ہے لیکن اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کم از کم ہندوستان میں اس پر عمل بھی ہوتا تھا،

صغار کی بحث | بہرحال قرآن مجید میں جزیہ کے متعلق جو آیت ہے وہ یہ ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ

تم لڑو ان لوگوں سے جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں، نہ اخیر دن پر، اور نہ حرام سمجھتے ہیں ان چیزوں کو جو خدا اور اس کے رسول نے حرام کیں اور نہ سچا مذہب اختیار کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی یہاں تک

صَاغِرُوْنَ،   (توبہ)   کہ وہ جزیہ دین، ہاتھ سے اور وہ پست ہون

اس آیت مین چند امور غور طلب ہین،

۱- یہ تمام غیر مسلمون کے متعلق نہین ہے، بلکہ اس کا تعلق خاص اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) سے ہے،
۲- تمام اہلِ کتاب کے متعلق بھی نہین ہے، بلکہ ایک خاص گروہ کے متعلق ہے، جو اسلام کا دشمن تھا،
۳- سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ برأت مین جن مشرکون یا یہود و نصاریٰ سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، اُن مین یہ معائب موجود تھے، معاہدہ پورا نہ کرنا، مسلمانون کے خلاف دشمن کو مدد دینا، مسلمانون کے عہد اور قرابت کا لحاظ نہ کرنا، زبان سے محبت ظاہر کرنا، اور دل مین عداوت رکھنا، حلفیہ لالچ، اسلام سے نومسلمون کو برگشتہ کرنا، ظلم، اسلام پر حملہ کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے جلا وطن کرنا، لڑائی مین پہل کرنا، معمولی مذہبی خدمتون پر فخر کرنا، خاص یہود و نصاریٰ مین یہ عیوب تھے، کفر، یہود حضرت عزیرؑ کو اور عیسائی حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، شرک حضرت مسیحؑ احبار اور رہبان کو خدائی کا درجہ دیتے تھے، اسلام کو فنا کرنے کی کوشش کرتے تھے، اس سے لوگون کو برگشتہ کرتے تھے، غلط طریقون سے مال کھا جاتے تھے، کارِ خیر مین سونا چاندی خرچ نہین کرتے تھے،

۴- ظاہر ہے کہ جو فرقہ مذہبی اور اقتصادی خرابیون کے ساتھ ساتھ سیاسی حیثیت سے مسلمانون کا مدِ مقابل ہو، جو اسلام کو فنا کرنے پر تیار رہو، جو نومسلمون کو ورغلاتا ہو، اس کی سزا اس سے زیادہ نرم اور مناسب کیا ہو سکتی ہے کہ اوس کو لڑ کر زیر کیا جائے، اور اپنا ماتحت بنایا جائے،

۵- ایسے لوگون کا ماتحت ہونا اور محصول (جزیہ) ادا کرنا، نہ صرف ان کے نقطۂ نظر بلکہ تمام دنیا کے نقطۂ خیال سے ذلت اور پستی کا مرادف ہے، خواہ حاکم ان کو ذلیل سمجھے یا نہ سمجھے،

۶- چونکہ یہ لوگ علانیہ اسلام کے دشمن تھے، اس لئے بتہدید خدا نے فرمایا کہ مسلمانون کو ان سے برابر لڑتے رہنا چاہیئے تاوقتیکہ یہ پست ہو کر محصول نہ ادا کرین،

۷- آیت میں دو لفظ ہیں جن سے صغار کا مفہوم پیدا کیا جاتا ہے، عن ید اور صاغرون

۸- عن ید کا مطلب بعض لوگوں نے یہ لیا ہے کہ اصالۃً جزیہ کی رقم ادا کرنی چاہئے، وکالۃً داخل نہیں ہو سکتی لیکن یہ خود مختلف فیہ مسئلہ ہے، فقہ کی متعدد کتابوں میں اس کی تصریح آئی ہے کہ اصالۃً حاضر ہونا ضروری نہیں، گو بہتر ہے[1] اور آج بھی عدالتوں، بنکوں، اور ڈاکخانوں میں روپیے کے کاروبار کے وقت اصالۃً موجود رہنا بہتر سمجھا جاتا ہے، خود اورنگ زیب کے زمانہ میں بھی اصالۃً حاضری ضروری نہ تھی، چنانچہ ۱۰۸۹ھ مطابق ۲۲ سنہ جلوسی میں چتوڑ کے رانا نے جب اس شرط پر صلح کی کہ

"بقبول جزیہ بجا آوردن دو سہ پرگنہ عوض زر جزیہ از ملک خود"[2]

تو اس شرط کو قبول کیا گیا، حالانکہ اگر اصالۃً زرجزیہ لے کر حاضر ہونا ضروری ہوتا، تو نہ پرگنے اس کا عوض ہو سکتے تھے، اور نہ اپنی ریاست کے پایہ تخت میں موجود رہنا ممکن ہو سکتا تھا،

۹- عن ید کے اور بھی معنی ہیں، امام ابن العربی (۵۴۳ھ) نے احکام القرآن میں متعدد قول نقل کئے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ ید کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں یا مجازی، اگر حقیقی معنی مراد ہوں، تو اصالۃً زرجزیہ لے کر حاضر ہونا ضروری ہے، اور اگر مجازی معنی لئے جائیں، تو بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں، چنانچہ اس دوسری صورت میں ید کے حسب ذیل معنی بھی ہو سکتے ہیں، ہاتھوں ہاتھ (یعنی دینے والا اپنے ہاتھ سے حاکم جزیہ کے ہاتھ میں دے، خواہ اصالۃً خواہ وکالۃً) نقد ادا کرنے (زرجزیہ کو باقی نہیں رکھنا چاہئے) بلا ستائش و طلب (ادا کرے) وغیرہ (ص ۸۷۰، ج ۲، مصر) غرض ان میں سے جو صورت بھی لے لی جائے، صغار (ذلت) کا کوئی پہلو پیدا نہیں ہوتا،

۱۰- صاغرون کا لفظ البتہ صغار کو صاف صاف بتاتا ہے لیکن صغار کی کیا صورت ہو؟ اس میں فقہا مختلف الرائے ہیں، بعض نے اس کی یہ شکل تجویز کی ہے، کہ غیر مسلم جزیہ کے دفتر میں جائے، اور

---

[1] ہدایہ ص ۳۰۸، جلد ۲ [2] منتخب اللباب ج ۲ صفحہ ۲۶۲ مصنفہ خافی خان نظام الملکی،

Marfat.com

کھڑے ہو کر اپنی رقم داخل کرے، لیکن کھڑا رہنا ذلت کی بات نہیں، آج عدالتوں، بینکوں اور ڈاکخانوں میں عموماً کاروباری آدمی کھڑے ہی رہتے ہیں، کیونکہ بیٹھنے کا انتظام نہ ہوتا ہے، اور نہ ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کی سلطنت میں اگر دفاتر جزیہ میں کھڑے ہو کر رقم داخل کرنا غیر مسلموں کے لئے ضروری تھا، تو معترضین کو اس کے بالمقابل یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مسلمانوں کی نشست کا انتظام زکوٰۃ کے دفاتر میں ہوتا تھا؟ بعض کا قول ہے کہ حاکم جزیہ، ذمی سے کہے "او ذمی! جزیہ دے" اس قول کو سرجدوناتھ نے اپنی تاریخ (ص ۲۶۹ ج ۳) میں بڑے آب و تاب سے نقل کیا ہے، اور دکھایا ہے کہ اسلامی فقہ کے رو سے وصول جزیہ کا بھی ذلیل طریقہ تھا، لیکن یہ کہیں نہیں دکھایا ہے کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں اسی طرح جزیہ وصول بھی کیا جاتا تھا، فقہ کی کتابوں میں لکھا ہونا اور بات ہے، اور اس پر عمل ہونا اور بات، اس موقع پر علامہ ابوحیان غرناطی (۷۴۵ھ) کی عبارت غور سے پڑھنے کے قابل ہے، وہ البحر المحیط (ص ۲۹ جلد ۵) میں لکھتے ہیں کہ لوگوں نے ذلت کی جو صورتیں لکھی ہیں، ان میں آیۂ قرآنی میں ایک کا بھی تذکرہ نہیں، اسی طرح امام ابن قیم (۷۵۱ھ) کی یہ رائے قابلِ توجہ ہے:

وھذہ کلہ مما لا دلیل علیہ	یہ تمام باتیں بے دلیل ہیں، اور آیت
ولا ھو مقتضی الآیۃ ولا نقل	ان کو نہیں چاہتی، اور نہ رسول اللہ
عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا	صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے یہ باتیں
اصحابہ (فتح البیان ص ۹۲ جلد ۴)	منقول ہیں،

علامہ شربینی کا وہ قول بھی دیکھنا چاہیے جس میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ اہانت کی یہ صورت غلط ہے، اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا، نواب صدیق حسن خان بھی لکھتے ہیں کہ ان چیزوں کی کوئی دلیل نہیں ہے" (فتح البیان ص ۹۲ ج ۴)

بعض نے صغار کے زیادہ مناسب معنی بیان کئے ہیں، یعنی جزیہ دینا خود ذلت ہے، اس بنا پر

Marfat.com

غیر مسلموں کے لئے ذلت کی تخلیق پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے) یہ امر کہ محکومی اور غیر قوم کی اطاعت ذلت ہے، ریاستہائے متحدہ امریکہ، آسٹریلیا، آئرلینڈ اور ان کے سیاسی رہنماؤں سے دریافت کر لیجئے،

بہرحال طبری (۳۱۰ھ) محی السنۃ بغوی (۵۱۶ھ) اور امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) نے اپنی تفسیروں میں یہ خیال بھی نقل کیا ہے،

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ صغار یہ ہے کہ اسلامی قانون (معاملات کے متعلق) ان پر عائد کیا جائے یعنی وہ مذہبی مسائل کے علاوہ دنیاوی باتوں میں قانون اسلامی کی پابندی کرتے ہیں، یہ خیال جو دنیائے اسلام کے ایک مجتہد امام کا ہے، تمام خیالوں سے زیادہ صحیح ہے، اور محی السنۃ بغوی نے معالم التنزیل (ص ۲۰۰ ج ۲) میں، امام ابن مکرم (۷۱۱ھ) نے لسان العرب (ص ۱۰۹ ج ۶) میں اور شربینی (۹۷۷ھ) نے سراج المنیر میں، اسی کو نقل کیا ہے، تیسرے اور چوتھے نظریوں کے مطابق صغار کا مفہوم محض ذہنی اور خیالی رہ جاتا ہے، اور اس کا تعلق مسلمان حکام سے باقی نہیں رہتا، اب ان تمام مباحث کا حاصل یہ ہوا کہ

(۱) قرآن مجید کے رو سے صغار کے مستحق تمام غیر مسلم نہیں ہیں، بلکہ وہ مخصوص اہل کتاب ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے، اور جن سے لڑائی کا حکم دیا گیا تھا،

(۲) اور غیر مسلم اس لئے جزیہ دیتے تھے کہ ان کے محصول کا یہی نام تھا، اور کوئی نیا نام رکھا نہیں گیا تھا،

(۳) صغار کا لفظ قرآن مجید میں دشمنان اسلام کے لئے تہدیداً استعمال کیا گیا ہے اور اس پر خود عہد رسالت میں بھی عمل نہیں ہوا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زجر و توبیخ ویسی ہی تھی جیسی کہ ماں باپ اپنی اولاد کو کرتے ہیں، اس کا مقصد مسلمانوں کے دلوں میں غیر مسلموں کی طرف سے منتقمانہ جذبات کی پرورش نہ تھی،

(۴) جو غیر مسلم دشمنِ اسلام نہین ہین، اُن کے لئے صغار بھی نہین ہے،

(۵) صغار کا مطلب ذلیل برتاؤ نہین، بلکہ ماتحتی اور سیاسی معاملات مین اسلامی قانون کی پابندی ہے، معزز ماتحت بھی بہرحال ماتحت ہے، یعقوب بن لیث الصفار کا قول ہے کہ "کہتر چون تو باید داشت"[51]

اب ضرورت ہے کہ ہر چند و ناتھ سرکار اور ہمارے معترض "ارسطو"[52] اس پر غور کرین کہ اسلامی عہدِ حکومت مین غیر مسلمون کے ساتھ کیا ذلیل برتاؤ کیا جاتا تھا !

جزیہ کی شرح ہندوستان کے جزیہ کی (جس کا تذکرہ منوسمرتی میں ہے) کوئی شرح منوجی نے مقرر نہین کی، بلکہ ہر شخص پر برابر محصول لگایا (باب ۷، دفعہ ۱۲۸) جو ظاہر ہے کہ بالکل خلاف انصاف تھا، نوشیروان کے فرمان مین رعایا کی مالی حالت کے اختلاف سے جزیہ بھی مختلف مقرر کیا گیا، یعنی ۱۲، ۸، ۶، ۴ درہم (طبری ص ۹۶۲ جلد ۲) لیکن اس مین سلطنت کے مختلف صوبہ جات کی اقتصادی حالت کو سامنے نہین رکھا گیا تھا، بلکہ امرا، متوسطین اور غربا، کی یکسان حالت تمام صوبون مین فرض کر لی گئی تھی اور یکسان جزیہ لگا دیا گیا تھا، اس کے ساتھ ہی خواص و عوام کی نہایت ناگوار تفریق پیدا کی گئی تھی، لیکن اسلام مین معاشیات کا سوال ابتدا سے سامنے تھا، اس لئے مختلف ممالک کی اقتصادی حالت کے مطابق وہان کی رعایا پر جزیہ مقرر ہوا، اور اس کی مختلف شرحین قرار دی گئین، اہلِ یمن سے بحساب ایک دینار سالانہ، اہلِ شام سے ۴ دینار[53]، مکہ کے ایک نصرانی سے ایک دینار[54]، عراق کی رعایا

---

[51] زین الاخبار ص ۳؛ تالیف ابوسعید عبدالحئی گردیزی در حدود ۴۴۰ھ [52] اس مضمون مین ان تمام اعتراضات کو پیش نظر رکھا گیا ہے، جو جزیہ پر کئے جاتے ہین، عرصہ ہوا آریہ گزٹ لاہور مین "ارسطو" کے فرضی نام سے جزیہ کے خلاف ایک مضمون نکلا تھا، اس مضمون مین ارسطو کے اعتراضات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے [53] احکام القرآن ابن عربی ص ۲۷۷، جلد ۱،

[54] کتاب الخراج یحیٰ بن آدم ص ۲۳،

سے (بعض روایات کے مطابق) ۴۸ درہم سالانہ[1] اور عام ممالک و صوبہ جات سے ۱۲، ۲۴، ۴۸ درہم سالانہ فی کس جزیہ وصول کیا جاتا تھا، یہ آخری شرح جیسا کہ بالتصریح معلوم ہے حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ کے زمانہ میں برابر قائم رہی[2] اور امام ابو حنیفہؒ، امام محمد بن حسنؒ اور (بروایت مصنف فتح البیان) امام احمد بن حنبلؒ نے اسی کو اختیار کیا[3]، جزیہ کا عالمگیری فرمان اگرچہ مرأت احمدی (ص ۲۱۳ ج ۱) میں بلفظہ منقول نہیں ہے لیکن سرجادوناتھ سرکار نے اس کا خلاصہ نقل کیا ہے، اس کی دفعہ ۲ میں یہی شرح موجود ہے (جو اُن کے نزدیک ایک ناقابلِ برداشت بوجھ ہے، جو غریبوں کے کاندھوں پر ڈالا گیا (اس کا جواب آگے آتا ہے۔)

معاشی حیثیت سے ایک اور اصول زرِ جزیہ کے متعلق اختیار کیا گیا ہے، قدیم ہندوستان میں محصول نقد کی شکل میں لیتے تھے، مثلاً روپیہ، دھرن، ستمان، آتشک، پن وغیرہ (منوسمرتی باب ۸ دفعات ۱۳۵ تا ۱۳۸) ایران میں بتدلی طرح کا رسم تھے، چین کا کچھ پتہ نہیں لیکن اسلام میں ہر پیشہ والے کو یہ آزادی دی گئی ہے کہ وہ جزیہ کی نقد رقم کے بجائے اپنے اپنے پیشہ کی چیز کو دے سکتا ہے؛ البتہ مردار، سور اور شراب جزیہ کی رقم میں قبول نہیں کئے جائیں گے[4]، اس طرح جو سہولت غیر مسلم رعایا کو اسلامی سلطنت کے اندر میسر تھی، وہ دوسرے ممالک میں نہ تھی، اور نہ آج تک کسی ملک میں میسر ہے،

جزیہ کون لوگ دیتے تھے قدیم ہندوستان میں ہر شخص سے جزیہ لیا جاتا تھا، (منوسمرتی دفعہ ۱۳۷ باب ۸) جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے، ان کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے، غیر مستطیع بھی کچھ نہ کچھ دیتے تھے (دفعہ ۴۰۵، باب ۸) جو لوگ محصول ادا کرنے کے قابل نہ تھے، وہ ہر مہینہ میں ایک دن بیگار میں پکڑے جاتے تھے (دفعہ ۱۳۸ باب ۷) ایران میں اس سے کم سختی تھی، وہاں ۲۰ اور پچاس سال کے درمیان عمر والے مرد جزیہ دیتے تھے، اور عورتیں مستثنیٰ تھیں، چین میں اس سے بھی زیادہ سہولت تھی، وہاں صرف مردان

[1] کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۲۳ [2] عینی شرح کنز ص ۳۲۰ ج ۱ [3] فتح البیان ص ۹۵ جلد ۴ [4] کتاب الخراج امام ابو یوسف صفحہ ۶۹)

سے جزیہ لیا جاتا تھا جن کے لئے ۱۸ سے ۶۰ سال تک عمر کی شرط تھی،

اسلام میں ان تمام ممالک سے زیادہ جزیہ میں رعایت کی گئی، صرف عاقل بالغ اور کام کرنے کے قابل مردوں پر محصول لگایا گیا، اور کام کی حیثیت سے اُن کے ۳ طبقے قرار دیئے گئے،

۱- غنی جو دس ہزار درہم یا اس سے زیادہ کا مالک ہو،

۲- متوسط جو ۲۰۰ درہم سے دس ہزار تک کا مالک ہو،

۳- فقیر جو ۲۰۰ درہم سے کم کا مالک ہو، یا اس کی آمدنی ضروریاتِ زندگی سے زائد نہ ہو،

امام ابویوسف نے کتاب الخراج (ص ۰۰) میں اس کی پوری تفصیل بیان کی ہے کہ صراف، بزاز، مالک جائداد و تاجر، مطب کرنے والے طبیب میں جو غنی اور متوسط ہوں، وہ اپنی آمدنی کے مطابق جزیہ ادا کرتا ہاتھ سے کام کرنے والے کاریگر، مثلاً خیاط، رنگریز، موچی وغیرہ تیسرے درجہ میں ہیں، وہ اس کی شرح کے مطابق محصول دیں، اس موقع پر سرجدو ناتھ نے بعض فقہاء کی رائے کے مطابق صرافوں وغیرہ کو پہلے درجہ میں اور خیاطوں وغیرہ کو تیسرے درجہ میں رکھکر درمیانی طبقہ کو غائب کر دیا ہے (تاریخ عالمگیر ص ۲۶۹ ج ۳) حالانکہ امام ابویوسف کی طرح اور فقہاء نے بھی صرافوں وغیرہ کے دو درجے قرار دیئے ہیں، غنی اور متوسط،

ایسے اپاہج، اندھے اور لنگڑے لولے جو متمول ہوں اور جن کا کاروبار اچھا چلتا ہو، اُن پر جزیہ ہے، اسی طرح دولت مند مقدس راہب اور پجاری بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں، (اورنگزیب کے عہد کے مالدار برہمن بھی اسی حکم میں آتے ہیں،)

کون لوگ جزیہ نہیں دیتے تھے، | قدیم ہندوستان میں صرف تین قسم کے لوگ جزیہ سے مستثنیٰ تھے، معذور، ستر برس کے بوڑھے اور برہمن، (منوسمرتی دفعہ ۳۹۴ باب ۸) ایران میں ۲۰ سال سے کم اور پچاس سال سے زیادہ عمر کے لوگ محصول ادا نہیں کرتے تھے، اُن کے علاوہ خاندانِ شاہی، معززین

Marfat.com

فوج، مذہبی پیشوا دفاتر کے منشی، اور ملازمین سلطنت جزیہ کے مطالبہ سے آزاد تھے، جن میں عورتیں جزیہ نہیں دیتی تھیں، اور ۱۰ سال سے کم اور ۵۰ سال سے اوپر عمر والے مرد بھی مستثنیٰ قرار دئے گئے تھے،

اسلام نے عورتوں، بچوں، پاگلوں، غلاموں، محتاج اور ازکار رفتہ بوڑھوں، ناداروں، اور بیماروں (نادار برہمن اورنگ زیب کے زمانہ میں اسی حکم میں شامل تھے،) مفلس، اندھوں اپاہجوں، اور لنگڑے لولوں کو محصول سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، اورنگ زیب نے عنایت اللہ خان مہتمم جزیہ کے نام ایک حکم بھیج کر غیر مسلم ملازمین سلطنت کو بھی جزیہ سے بری کیا تھا، مرآتِ احمدی (ص ۲۹۳ ج ۱) میں یہ الفاظ ہیں،

"بندگانِ حضرت قدر قدرت عنایت اللہ خان را تمشیتِ این کار تفویض فرمودند حکم اشرفِ اعلیٰ شرف صدور یافت کہ از ملازمان سرکار دولت مدار مواخذہ نکنند، وسوائے آن از جمیع ذمیان مطابق شرع شریف بگیرد"،

تعجب ہے کہ ہمارے "آرسطو" صاحب کی نظر اس نکتہ اور اس عبارت پر نہیں پڑی، ورنہ وہ یہ تکلیف نہ فرماتے، کہ "۱۶۷۹ء میں اورنگ زیب نے حکم دیا کہ جزیہ سب سے وصول کیا جائے خواہ اسلامی ہندوستان ہو یا راجپوتانہ کوئی سرکاری ملازم ہو یا نہ" (آریہ گزٹ)

جزیہ کے مصارف | مصارفِ عامہ کا بنیادی اصول بہبود عامہ ہے اور اسلام میں جزیہ کے مصارف کو مختلف مدوں میں اس طرح تقسیم کیا گیا ہے، کہ عوام کو ہر مد کے مصارف سے بیشتر میں فائدہ حاصل ہوتا تھا،

۱- مصارف عامہ کی سب سے پہلی اور ضروری مد فوجی انتظام ہے، اور یہ اسی جزیہ کی رقم سے ہوتا تھا امام ابویوسفؒ نے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے[۱]،

---

[۱] کتاب الخراج ص ۱۴۱

Marfat.com

واضع علیھم فیھا الخراج وفی ۔ اور میں ان (ذمیوں) پر زمین میں خراج
رقابھم الجزیۃ یؤدونھا ۔ اور اُن کی گردنوں میں جزیہ مقرر کرتا ہوں
فتکون فیئًا للمسلمین المقاتلۃ ۔ جس کو وہ ادا کریں گے اور جو مسلمان فوج
والذریۃ ولمن یاتی من ۔ اور اس کی اولاد اور آئندہ آنے والوں
بعدھم، ۔ کے لئے فئے (غنیمت) ہوگا،

یہ فوج سرحدوں کے علاوہ بڑی بڑی چھاؤنیوں (مثلاً شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ، مصر) میں بھی رہتی تھی جس کا اسی تقریر میں ذکر ہے، اور یہ سب فوجی وظیفہ دار تھے، خلیفہ کا فقرہ ہے وادر العطاء علیھم، اور مبسوط (ص ۸، ج ۱۰) میں بھی ہے،

فیؤخذ منھم المال لیصرف ۔ یعنی ذمیوں سے جو وصول ہوگا، وہ اُن
الی الغزاۃ الذین یقومون ۔ غازیوں کو ملے گا، جو دارالاسلام کی حفاظت
بنصرۃ الدار ۔ کرتے ہیں،

(۲) ایک مد تحصیل کے اخراجات کی تھی، اس سے عمال کو تنخواہ ملتی تھی، مصنف کنز الدقائق نے اور صاحب درمختار نے اس کی تصریح کی ہے،

(۳) سول یا دیوانی محکموں کی تنخواہوں اور اخراجات کی مد میں بہت سی مدیں شامل تھیں، مثلاً امور نافعہ (پبلک ورکس) میں پتھر کے پلوں (قناطر) اور لکڑی اور مٹی کے پلوں (جسور) کی تعمیر کا کام اسی مد سے ہوتا تھا، (کنز و درمختار)

محکمہ عدالت میں قاضیوں اور مفتیوں کی تنخواہیں، (کنز و درمختار) دفاتر قضا کے محرروں اور تقسیم کے گواہوں کے معاوضہ (کنز و درمختار) اسی سے ادا کئے جاتے تھے،

بنادر کی نگرانی کرنے والے اسی رقم سے تنخواہ پاتے تھے، (کنز و درمختار)

Marfat.com

تعلیمات میں علماء اور طلبہ کے وظائف اسی سے نکالے جاتے تھے، (درمختار و ردّ مختار ص ۳ جلد ۳)

۴۔ مسلمانوں کے علاوہ خود ذمیوں کے ایسے افراد کو جو قابل امداد ہوجاتے تھے، اسی سے مدد دی جاتی تھی حضرت خالد بن الولیدؓ نے حیرہ والوں کو جو فرمان عطا کیا، اس میں یہ الفاظ درج تھے[1]

ایما شیخ ضعف عن العمل او	اور جو بوڑھا کام کرنے میں کمزور ہو یا اس پر
اصابتہ آفۃ من الآفات او	کوئی آفت آگئی ہو، یا مالدار ہونے کے بعد
کان غنیا فافتقر وصار اھل	محتاج ہوگیا ہو، اور اس کے مذہب والے
دینہ یتصدقون علیہ طرحت	اس کو خیرات دینے لگے ہوں، تو اس کا
جزیتہ، وعیل من بیت المال	جزیہ معاف کیا جائے، اور مسلمانوں کے
المسلمین وعیالہ ما اقام	بیت المال سے اس کو اور اس کے بچوں
بدار الھجرۃ ودار الاسلام	کو نان و نفقہ دیا جائے جب تک وہ دار الہجرۃ اور دارالاسلام میں مقیم رہے

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں اور مقامات کے معذور بوڑھوں کے لئے بھی یہ عام قاعدہ بنا دیا گیا تھا، انھوں نے ایک دفعہ ایک بوڑھے نابینا یہودی کو ایک دروازہ پر بھیک مانگتے دیکھا، اور دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جزیہ کی رقم اور دوسری ضروریات کے لئے بھیک مانگ رہا ہے، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اُس کا اور اُس کے جیسے تمام بوڑھوں کا جزیہ معاف کر دیا جائے۔[2]

اسلامی اور غیر اسلامی جزیوں کا فرق

(۱) اسلامی اور غیر اسلامی محصولوں میں نمایاں فرق یہ ہے کہ اسلام نے ربانی ذمہ داری کی بنا پر دنیا کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لیا تھا، اس لئے وہاں محصول کا اصل مقصد دو پیہ نہ تھا، شمس الائمہ سرخسی (م ۴۸۳ھ) نے مبسوط (ص ۷۸، ۲۰۷، ج ۱۰) میں جا بجا اس کا تذکرہ کیا ہے اور ذمیوں کی بقایا رقم (مواشید) کے معاف کر دینے کی وجہ بھی یہ بتلائی ہے کہ جزیہ کے ذریعہ مال جمع کرنا

[1] کتاب الخراج ص ۸۵، [2] ایضاً ص ۷۲

Marfat.com

مقصود متعین ہیں، بخلاف اس کے دوسرے ممالک اور اقوام میں محصول کے متعلق ہر زمانہ میں جیبوں کی "شہنشاہیت" کی گرج سنائی دی ہے، جس نے غربا کی جیبیں خالی کرا کر امراء کے عیش و عشرت کا سامان مہیا کیا ہے۔ اور اس طرح اس بے زبان طبقہ کی سادہ مزاجی اور مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتی رہی ہے۔ منوسمرتی باب ۷ دفعہ ۱۲۹ و ۱۴۰ اور باب ۸ دفعہ ۵ بہ خاص طور سے اس سلسلہ میں قابلِ ملاحظہ ہیں۔

(۲) دوسرا عظیم الشان فرق اس سیاسی تخیل کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، جو مسلمان اور غیر مسلموں کے "امرِ سلطنت" کے متعلق تھا، مسلمانوں نے "نظریہ تولیت" (Trustee Ship) کا صحیح مفہوم سمجھ کر اپنے کو اس کا پورا عامل بنایا تھا، وہ اپنے کو ملک کا مالک نہیں، بلکہ متولی سمجھتے تھے[ا] اس لئے انھوں نے محصول رعایا کی مالی حالت کے مطابق لگایا، جس سے اس کی خوشحالی میں فرق نہ آئے، اور ملک کی سرسبزی قائم رہے، بخلاف اس کے دوسری قوموں نے اپنے کو ملک کا متولی نہیں بلکہ مالک سمجھا تھا، اس لئے انھوں نے رعایا کی مالی حالت کے بجائے دوسرے اصول پر محصول متعین کئے، چنانچہ قدیم ہندوستان کے قانون منوسمرتی (باب ۸ دفعہ ۳۹) میں راجہ کو بالتصریح مالک کہا گیا ہے، اور اسی بنا پر یہاں محصول مہیا زخدمات کی ایک شق "مساوات" کا اصول پیشِ نظر رکھا گیا تھا، جس کا مطلب یہ ہے کہ محصول سرکاری خدمات کا معاوضہ ہے، لیکن چونکہ سرکاری خدمات کا تخمینہ انفرادی طور پر ناممکن ہے، اور ان خدمات سے تمام ملک مستفید ہوتا ہے، اس لئے محصول بلا امتیاز بمقدار مساوی قائم ہونا چاہئے، منوسمرتی (باب ۸ دفعہ ۱۲۸) کا حکم اس بارہ میں نہایت صریح اور صاف ہے، لیکن اس اصول میں معاشی حیثیت سے چند نقائص ہیں، یہ مانا کہ خدماتِ منفردہ کا تخمینہ ممکن نہ سہی، تاہم اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا، کہ سب

[ا] صحیح بخاری (کتاب الاعتصام باب یکرہ من التعمق) میں حضرت ابوبکرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے، انا ولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضرت عمرؓ کا یہ قول لکھا ہے، انا ولی رسول اللہ صلعم وابی بکر، اور مبسوط (ص ۱۸، ج ۱۰) میں ہے، وقولنا دار الاسلام نسبۃ للولایۃ،

لوگ سرکاری خدمات سے یکساں مستفید نہیں ہو سکتے، اور بالعموم دولتمندوں کو غرباء کے مقابلہ میں بہت زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا ہے۔ پھر جب غرباء کو اپنا اور اپنی اولاد کا پیٹ پالنا بھی دشوار ہو رہا ہو، اور بسر اوقات کے لئے دوسروں کی فیاضی کے دست نگر ہوں تو اُن سے ٹیکس طلب کرنا کہاں تک قرینِ انصاف اور وصول کرنا کہاں تک ممکن ہے، ؟ اس لئے مساوی ٹیکس کا یقینی نتیجہ خود ملک کی تباہی و بربادی ہے[ل]

ایران میں مساوات کے بجائے سرکاری خدمات کی انفرادی حیثیت پر نظر رکھی گئی، جس طرح مزدور کو محنت کی اُجرت دیجاتی ہے ٹیکس بھی سرکار کی خدمت کا معاوضہ ہے، اس لئے جو سرکار سے جتنی خدمت لے، اسی کے مطابق معاوضہ بشکل ٹیکس ادا کرے، اسی بنا پر ایران میں ۱۲ - ۸ - ۶ - ۴ درہم کی شرح سے مختلف حیثیتوں کے لوگوں پر جزیہ مقرر ہوا، اور وہ لوگ جو سرکار کے مفہوم کی "وسعت" میں آتے تھے مثلاً اونچے گھرانے، معززین، فوج، مذہبی پیشوا، منشی، اور سلطنت کے ملازم، جزیہ سے مستثنیٰ کر دئے گئے، لیکن عورتیں جو سرکار کے مفہوم میں شامل نہ تھیں، قدیم ہندوستان کی طرح ایران میں بھی جزیہ ادا کرتی تھیں، معاشی حیثیتوں سے اس اصول میں بھی متعدد خامیاں ہیں، سب سے ناگوار چیز تو وہ تفریق ہے، جو اونچے گھرانوں اور عوام میں رکھی گئی ہے، حالانکہ محصول کو "فرقہ داری" سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہئے (اسلام میں زکوٰۃ خود خلیفہ کو بھی ادا کرنی پڑتی ہے،) دوسرے سرکاری خدمات اس قدر بے شمار اور اُن کے نتائج اس قدر گوناگوں ہیں، کہ ان میں کسی شخص کے حصہ کا تخمینہ کرنا بالکل محال ہے، بیڑوں، فوجوں، حکام کی تنخواہوں، شہر کی صفائی، سڑکوں کی درستی، واٹر ورکس، غرض لوکل یا امپیریل محصولوں سے ہر شخص کو جو فائدہ پہونچتا ہے، اس کا جداگانہ تخمینہ کیونکر ممکن ہے؟ اور پھر جو ٹیکس ان مصارف کے طلب کیا جائے اور وہ سرکاری خدمات منفردہ کے مساوی کیونکر مقرر ہو سکتا ہے؟،

ل اصولِ معاشیات برنی ص ۲۹۸، ۲۹۹،

Marfat.com

کیا شرح جزیہ میں ایران کی تقلید کی گئی ہے

یہ ایک نہایت اہم سوال ہے، علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے الفاروق (ص ۲۰۰ج ۲) نیز اپنے مضامین الجزیہ اور غیر قوموں کی مشابہت (مقالات شبلی ج ا ص ۲۳۰، ۱۶۲) میں صاف صاف لکھا ہے، کہ حضرت عمرؓ نے نوشیروانی قواعد جاری کئے تھے، اس سلسلہ میں انھوں نے ابو حنیفہ دینوری اور شاہ ولی اللہ صاحب کا نام بھی لیا ہے، اور اصلی ماخذ طبری کو قرار دیا ہے، جس نے یہ الفاظ لکھے ہیں،

وهي الوضائع التي اقتدى بها عمر بن الخطاب حين افتتح بلاد الفرس وامر باجتباء اهل الذمة عليها	اور یہ وہی شرحیں ہیں، جن کی عمرؓ بن الخطاب نے پیروی کی، جب انھوں نے فارس کے شہر فتح کئے، اور انھوں نے اہل ذمہ سے انہی (شرحوں) کے مطابق وصول کرنے کا حکم دیا،
(طبری ص ۹۹۲ ج ۲)	

شاہ ولی اللہ صاحب طبری سے متاخر ہیں، اس لئے اُن کی رائے عین طبری کی رائے ہو سکتی ہے تاہم وہ بھی حضرت عمرؓ کا نام لینے میں تامل کرتے ہیں، ابو حنیفہ دینوری (۲۸۲ھ) البتہ طبری سے مقدم ہیں لیکن انھوں نے اس کا ذکر ہی نہیں کیا ہے، اب رہے، امام طبری (۳۱۰ھ) تو ان کے متعلق حسب ذیل امور قابل لحاظ ہیں،

(۱) امام ابو یوسف (۱۸۲ھ) نے جہاں جزیہ کی شرح بیان کی ہے، حضرت عمرؓ کی تقلید کا ذکر نہیں کیا ہے،

(۲) امام موصوف نے کتاب الخراج (ص ۴۹) میں یہ بھی لکھا ہے کہ عراق فتح ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے وہاں کے بعض زمینداروں کو بلایا، اور پوچھا کہ زمین کا محصول تم عجمیوں کو کیا ادا کرتے تھے، ؟ انھوں نے کہا، ۲، فرمایا میں اس پر راضی نہ ہوں گا،

۳۔ امام یحییٰ بن آدم (۲۰۳ھ) بھی تقلید کے ذکر سے ساکت ہیں،

۴۔ امام طبری (۳۱۰ھ) نے آگے چل کر جو عبارت لکھی ہے وہ تمام کتب فقہ اور تاریخ کے خلاف ہے، وہ لکھتے ہیں،

ولم یخالف عمرؓ بالعراق خاصۃ	اور عمرؓ نے خاص کر عراق میں کسریٰ کی اُن
وضائع کسریٰ علیٰ جربان الارض	شرحوں کی مخالفت نہیں کی جو اُس نے زمین
وعلی النخل والزیتون والجماجم	کی جریبوں اور کھجور، اور زیتون اور سروں
(ص ۹۶۳)	پر مقرر کی تھیں،

(الف) اس عبارت کی رو سے فیوں کے طبقات چار ہونے چاہئیں کیونکہ چار شرحیں طبری نے مقرر کی تھیں (طبری جلد ۲ ص ۹۶۳)

(ب) شرح ۱۲ - ۸، ۶، ۴، درہم ہونی چاہئے،

حالانکہ اسلام نے ۳ طبقے قرار دیئے ہیں، اسی طرح ۴۸، ۲۴، ۱۲ درہم شرح رکھی ہے، اور اس کے حوالے اوپر آ چکے ہیں،

(۵) طبری نے اقساط کا جو طریقہ لکھا ہے، مسلمانوں کا طرزِ عمل اُس کے خلاف شہادت دیتا ہے کیونکہ وہ عموماً سالانہ جزیہ وصول کرتے تھے،

(۶) طبری کی روایت کے مطابق کسریٰ نے خاندانِ شاہی، معززین، فوج، مذہبی پیشوا، اور ملازمین سلطنت کو جزیہ سے مستثنیٰ کیا تھا، حالانکہ حضرت عمرؓ نے ایسا نہیں کیا،

(۷) شمس الائمہ سرخسی (۴۸۳ھ) نے مبسوط (ص ۸، ج ۱۰) میں لکھا ہے کہ جزیہ کی مقدار کا علم حضرت عمرؓ کی حدیث سے ہوا ہے، اور وہی اصل ہے، انھوں نے مردوں پر ٹیکس ۱۲ درہم اور ۲۴ درہم اور ۴۸ درہم مقرر کئے، اور مقدار، قیاس سے مقرر نہیں ہوتی، اس سے ہم نے سمجھا کہ انھوں (حضرت عمرؓ) نے رسول اللہ صلعم سے سماعت پر اعتبار کیا ہوگا، (یعنی انھوں نے خود یا کسی اور صحابی نے رسول اللہ صلعم سے

Marfat.com

سنا ہوگا،) تو ہم نے اُس کو لے لیا،

(۸) عموماً مفسرین اور فقہا تقلید کے ذکر سے خاموش ہین،

اب ایک طرف یہ تمام قدمائے اسلام ہین جن کی کتابون مین نوشیروان کی پیروی کا ذکر تک نہین ہے اور دوسری طرف مولانا شبلی ہین جن کو طبری کی روایت پر اس قدر اصرار ہے کہ وہ جزیہ کے اختلاف شرح کو بھی نوشیروانی پیروی کی طرف منسوب کر دینا چاہتے ہین، حالانکہ محصول اور اس کی مختلف شرحین مقرر کرنا نوشیروان کا کوئی تمغائے امتیاز نہ تھا، یہ تو معمولی سی بات ہے، اور ہر مدبر اس کو سوچ سکتا ہے،

جزیہ اور سیاسیات اب تک جزیہ کے متعلق جو گفتگو کی گئی، وہ قانونی (فقہی) اور کسی حد تک تاریخی پہلو لئے ہوئے ہوئی تھی، لیکن اب یہ دکھایا جائے گا، کہ پالیٹکس مین اس کی کیا حیثیت ہے ؟

(۱) اوپر جزیہ کے متعلق فقہا کے جو سات نظریات بیان کئے گئے ہین، اُن سب کا قدر مشترک یہ نکلتا ہے کہ وہ ایک محصول ہے اور محصول کی تعریف بسٹیبل (Bastable.) نے اپنی کتاب "سرکاری مالیات" (Public Finance) مین اس طرح کی ہے،[۵۱]

"محصول (Tax) کسی شخص یا جماعت کی دولت کا وہ حصہ ہے جو بلا لحاظ اس کی رضامندی یا ناراضگی کے سرکاری اغراض کے لئے حاصل کیا جاتا ہے"

پروفیسر محمد الیاس برنی ایم اے، ال ال بی نے اصول معاشیات (ص ۲۹۰) مین اس تعریف کو یون واضح کیا ہے،

"ٹیکس سے مراد دولت کا وہ حصہ ہے جو لوگ غیر اختیاری طور پر سرکار کو مصارف حکومت کے واسطے ادا کرین"،

پھر اسی کتاب اور اپنی دوسری تصنیف علم المعیشت مین اس تعریف کے بعض الفاظ کو غور طلب قرار

---

[۵۱] معاشیات ص ۳۵۲ مصنفہ مولوی حبیب الرحمن ایم اے ایل ایل بی جامعہ عثمانیہ،

Marfat.com

دیا ہے، جن مین ایک لفظ دولت بھی ہے وہ اس لفظ کے متعلق لکھتے ہین،

اصطلاح "دولت" اپنے وسیع معنون مین استعمال کی گئی ہے، گویا مال وجائداد کے علاوہ "خدمات" بھی اس مین شامل ہین، چنانچہ بیگار بھی ایک ناپسندیدہ قسم کا ٹکس ہے،

لفظ "دولت" کی اس وسعت کو سمجھنے کے بعد جزیہ کے متعلق ایک بڑا مغالطہ دور ہو جاتا ہے، علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے الفاروق (ص ۲۰۲ جلد ۲) مین جہان جزیہ کی بحث لکھی ہے، اس کو حفاظت کا معاوضہ قرار دے کر تاریخ سے چند تائیدی دلائل بھی تحریر فرمائے ہین، اسی سلسلہ مین لکھتے ہین :-

" اس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگون سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی، اُن کو باوجود اُن کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف کر دیا"

پھر شواہد مین ۱۷ھ اور ۲۲ھ مین عراق، آذربائیجان، آرمینیہ، اور جرجان کے غیر مسلمون سے جو معاہدے ہوئے تھے، اُن کو نقل کیا ہے،

لیکن "معاشیات" مین دولت کا لفظ جن عام معنی مین استعمال ہوتا ہے، اگر ان کو سامنے رکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے، کہ ذمیون کی جنگی خدمت بھی "دولت" کے وسیع مفہوم کے اندر داخل تھی، اس لئے اپنی جان کو لڑائی کے لئے پیش کرنا، گویا زرِ جزیہ کو نقدی صورت مین ادا کرنا تھا، اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جزیہ معاف نہین کیا گیا، بلکہ دوسری شکل مین وصول یا قبول کیا گیا،

حقیقت یہ ہے کہ جو سلطنت کسی ملک پر سیاسی حیثیت سے تسلط حاصل کرتی ہے وہ قانونًا اس کی مجاز ہے کہ بروقت ضرورت رعایا سے جانی اور مالی خدمات کا مطالبہ کرے، مسلمانون کی ابتدائی سلطنت (خلافتِ راشدہ) جو آج کل کے اعلیٰ ترین جمہوری طرزِ حکومت "منتقیہ" سے بدرجہا بہتر تھی، اس نے بھی اپنی رعایا سے دونون قسم کی خدمتین لین،

۱- ابتداءً جیسا کہ ہر قوم مین ہوتا ہے، صرف مسلمان فوج مین شامل تھے، ۱۷ھ مین جب غیر مسلمون

Marfat.com

کا اس کو اعتماد حاصل ہو گیا، تو اُن کو بھی فوج مین شرکت کی اجازت مل گئی، جو حفاظت سلطنت کے لئے جانی امداد تھی؟

۲۔ مالی امداد مصارفِ حکومت کے لئے تھی جس کو مسلمان بشکل زکوٰۃ اور غیر مسلم بصورتِ جزیہ دیتے تھے، اس کو فوجی خدمت سے کچھ واسطہ نہ تھا، جس طرح صاحبِ نصاب مسلمان فوجی خدمت کی وجہ سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہین ہوتے تھے، مستطیع غیر مسلمون کا جزیہ بھی معاف نہین کیا جاتا تھا؟ خلافتِ راشدہ کے بعد شخصی سلطنتون مین بھی یہ نکتہ ہمیشہ ملحوظ خاطر رہا ہے، چنانچہ سلطنتِ مغلیہ مین برابر راجپوتون کی فوج رہتی تھی، اور خود وہ شہنشاہ (اورنگ زیب) جس پر ارسطو نے اعتراضات کئے ہین، راجپوتون کو فوج مین بھرتی کرتا تھا، اور اُن سے فوجی خدمت لینے کے باوجود جزیہ بھی لیتا تھا، چنانچہ ہمارا معترض حیرت سے لکھتا ہے،

"مگر چلو ہم ایک لمحہ کے لئے یہ فرض کر لیتے ہین کہ یہ فوجی خدمت کا معاوضہ تھا، جو غیر مسلمون سے لیا جاتا تھا، تو اُن ہندوؤن سے جزیہ کا وصول کرنا کسی طرح بھی جائز نہ تھا، جو فوج مین ملازم تھے، پھر اورنگ زیب کا دستا ہندا ور راجپوتانہ کے راجپوت راجاؤن سے جزیہ وصول کر لینا کیسے درست ہو سکتا ہے؟"...... پھر فوج کے ساتھ امیر جزیہ مقرر کئے گئے تھے، جو جزیہ وصول کرتے تھے، ۱۲ جولائی ۱۶۸۲ء (۱۰۹۳ھ) کا اعلان اُن فوجی امیرون کا ذکر کرتا ہے، اس کا صاف مطلب ہے کہ فوج مین ہندوؤن سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا، ورنہ فوج مین اُن کی موجودگی کی اور کیا تاویل ہو سکتی ہے، پھر دوسری طرف کوئی ایسا حکم نہین جس مین فوجی ملازم ہندوؤن کو جزیہ کی ادائگی سے مستثنیٰ کیا گیا ہو، یہ صرف معمولی فوجی ملازمون سے ہی وصول نہین ہوتا تھا، بلکہ ہندو افسر تک اس حکم سے باہر نہ تھے؟" (آوبہ گزٹ)

لیکن معترض کی حیرت کا اصلی سبب علامہ شبلی مرحوم کا یہ خیال ہے کہ جزیہ صرف جنگی خدمت کا معاوضہ تھا، اور گو تاریخی واقعات سے انھون نے اس کی تائید بھی کر دی ہے لیکن جزیہ کی سیاسی

Marfat.com

حیثیت پر اس کی نظر نہین گئی تھی، اسی لئے جزیہ کو فوجی خدمت کا معاوضہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہین،

"اس لحاظ سے کل مسلمان فوجی خدمت رکھتے تھے، اور ضرور تھا کہ وہ جزیہ سے اسی طرح بری رہین جس طرح نوشیروان عادل نے عموماً اہل فوج کو اس (جزیہ) سے بری کر رکھا تھا، لیکن غیر مذہب والے جو اسلامی حکومت کے ماتحت تھے، اور جن کی حفاظت مسلمانون کو کرنی پڑتی تھی، ان کو فوجی خدمت پر مجبور کرنے کا اسلام کو کوئی حق نہ تھا، نہ وہ لوگ ایسی پرخطر خدمت کے لئے راضی ہو سکتے تھے، اس لئے ضرور تھا کہ وہ اپنی محافظت کیلئے کوئی معاوضہ دین، اسی معاوضہ کا نام جزیہ تھا" (ص ۲۳۱، ۲۳۲)

لیکن اوپر سیاسی حیثیت سے مسلمانون کے جس اصول اور عمل پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فوجی خدمت اور مالی امداد بالکل دو جداگانہ چیزین تھین، مولانا نے یہ تو لکھا ہے کہ مسلمانون کو جزیہ سے مستثنیٰ ہونا چاہئے تھا، لیکن یہ نہین بتلایا ہے کہ اُن سے زکوٰۃ کا مطالبہ ہوتا تھا، مسلمانون کا محصول جزیہ نہ تھا، بلکہ زکوٰۃ تھی، اور جب وہ فوجی خدمت کے صلہ مین زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہین کئے گئے، تو غیر مسلم فوج مین رہ کر جزیہ سے کیون کر مستثنیٰ ہو سکتے تھے؟ پھر یہ بھی صحیح نہین ہے کہ غیر مسلمون سے فوجی خدمت لینے کا اسلام کو کوئی حق نہ تھا، ہر سلطنت کو اپنی رعایا سے فوجی خدمت لینے کا حق حاصل ہے، اور اسلامی سلطنت کو تو بدرجۂ اولیٰ یہ حق حاصل تھا، کیونکہ اولاً تو وہ مسلم اور غیر مسلم کی ناروا تفریق پسند نہین کرتی تھی، دوسرے زمین کا مالک اُس نے عام طور پر غیر مسلمون ہی کو بنا رکھا تھا،

رہا یہ امر کہ ابتدا مین غیر مسلم فوج مین کیون شریک نہین کئے گئے؟ اس کا سبب یہ تھا کہ غیر مسلم مفتوح تھے، جو مسلمانون کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور اپنی قومی سلطنت کو دوبارہ واپس لانے کا خیال ان کے دماغون مین موجزن رہتا تھا، اس بنا پر آغاز فتح مین سیاسی حیثیت سے ان کو فوج مین بھرتی کرنا قرین مصلحت نہ تھا، البتہ جب عہد نبوت سے لے کر خلافت فاروقی تک اُن کو مسلمانون سے

Marfat.com

سابقہ پڑا، جس مین اسلام کی عادلانہ حکومت کا سکہ اُن کے دلون پر بیٹھ گیا، اور انھون نے خود دشمنانِ اسلام سے نبرد آزما ہونے کی خواہش ظاہر کی، تو ۱۷ھ مین اُن کو اجازت دے دی گئی، اور معاشی نقطۂ نظر سے اُن کی اس فوجی خدمت کو جزیہ کا قائم مقام سمجھ لیا گیا، جو اُن کے ساتھ مزید رعایت تھی،

۲- تعینِ محصول کے سلسلہ مین "مساواتِ محصول" (Parity of tax) کا اصول اختیار نہین کیا گیا، جس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ چونکہ سب کو سرکار سے یکسان آرام اور فائدہ پہنچتا ہے اس لئے سب لوگ برابر محصول دین، بلکہ جزیہ اشخاص کی مختلف قابلیتون اور حیثیتون کے مطابق مختلف نرخ سے مقرر ہوا، کیونکہ اصولِ "مساوات" سے غربا پر جس قدر ظلم ہو سکتا ہے محتاجِ بیان نہین، "مزید برآن سیاسی لحاظ سے بھی یہ اصول ناقابلِ عمل ہے[۱]"

۳- ورودِ محصول (Incidence of Taxation) کی بنا پر محصول کی دو قسمین قرار دی گئی ہین (۱) یہ کہ ٹیکس کا ادا کنندہ (Payer of tax) اور مورد (Subject of Tax) ایک ہی شخص ہو، یعنی جو دوسرون پر منتقل نہ ہو سکے، (۲) یہ کہ جس کے ادا کنندے اور مورد مختلف اور متعدد لوگ ہون، یعنی جو ادا کنندہ سے گذر کر بہت سے لوگون پر منقسم ہو جائے، اصطلاحاً اول ٹیکس کو بلا واسطہ (Direct Tax) اور دوم کو ٹیکس بالواسطہ (Indirect Tax) کہتے ہین[۲]،

جزیہ بلا واسطہ ٹیکس (Direct Tax) ہے جس سے عام "سیاسی بیداری" پیدا ہوتی ہے، کیونکہ ٹیکس بلا واسطہ، لگان، سود، اجرت، یا ملک و جائداد مین سے براہ راست دھرتیا اپنا حصہ نکالتی ہے، یہ ٹیکس "سیاسی تربیت" کا نہایت کارگر آلہ ہے، انسانی خاصہ ہے کہ جس کام مین کسی کا روپیہ لگتا ہے اُس سے

۱؎ معاشیاتِ ہند ص ۲۶۲، مصنفہ پرمتھ ناتھ بنرجی، مترجمہ مولوی الیاس برنی ۲؎ اصولِ معاشیات ص ۳۰۰ مصنفہ مولوی الیاس برنی،

Marfat.com

خواہ مخواہ تعلق اور دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ بعض انجمنوں میں تو علاوہ مالی امداد کے دلچسپی بڑھانے کی غرض سے بھی ممبروں سے چندہ طلب کیا جاتا ہے، جب لوگ جان بوجھ کر مصارفِ حکومت ادا کرتے ہیں، تو ان کو سیاسی معاملات سے خود بخود تعلق زیادہ محسوس ہونے لگتا ہے، اور اس کا نتیجہ عام سیاسی بیداری ہوتا ہے (اصولِ معاشیات ص ۹،۳)

اور واقعات شاہد ہیں کہ جزیہ کے سبب سے ہمیشہ غیر مسلموں میں سیاسی بیداری قائم رہی ہے، گو کبھی کبھی اس کا ظہور مظاہرہ کی نامناسب شکل میں بھی ہوا ہے، جیسا کہ سرکار نے "تاریخ اورنگ زیب" (ص ۱۰۲ ج ۳) میں اور علامہ شبلی مرحوم نے مقامین عالمگیر (ص ۷۰) میں دکھایا ہے،

جزیہ اور معاشیات | جزیہ کو معاشیات (Economics) سے بڑا گہرا تعلق ہے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (ص ۲۶۹ جلد ۲۲ طبع ۱۱) میں آدم اسمتھ (Adam Smith) کی کتاب "دولتِ اقوام" کے حوالہ سے ٹکس کے حسب ذیل قوانین بیان کئے گئے ہیں،

(۱) قانونِ معدلت: ہر مملکت کی رعایا کو چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے اپنی اپنی قابلیت کے تناسب سے یعنی اس آمدنی کے تناسب سے جو انہیں مملکت کے زیر حفاظت اپنے اپنے طور پر حاصل ہوتی ہے، حکومت کے اخراجات میں شریک ہوں،

(۲) قانونِ تیقن: جس ٹکس کا ادا کرنا ہر فرد پر لازمی ہو وہ بالکل باقاعدہ اور یقینی ہونا چاہئے، وقتِ ادائگی، طریقۂ ادائگی، مقدارِ ٹکس، یہ تمام امور نہ صرف ادا کرنے والے پر بلکہ دوسرے تمام اشخاص پر بھی واضح ہونے چاہئیں،

(۳) قانونِ سہولت: ٹکس ایسے وقت پر اور اس طریقہ سے عائد کیا جائے جو ادا کرنے والے کے حق میں زیادہ سے زیادہ سہولت کا باعث ہو،

(۴) قانونِ کفایت: ہر ٹکس اس طور پر تجویز کیا جائے کہ اس کی بدولت جس قدر رقم سرکاری

Marfat.com

خزانہ مین داخل ہوتی ہے اس کے علاوہ حتی الوسع کم سے کم مزید رقم رعایا کی جیبون سے خارج ہو.....

ان چار کے علاوہ بعض مصنفین نے دو قانون اور بھی لکھے ہین،

(۵) قانون پیداآوری: ٹکس بدرجۂ ادنیٰ پیداآور (Productive) ہونا چاہئے

یعنی ماحصل ٹکس کی مقدار بہت معقول ہونی چاہئے، کیونکہ ٹکس قائم کرنے کا منشا، مصارف حکومت کے واسطے آمدنی پیدا کرنا ہے، اور جب ایسی آمدنی کی مقدار قلیل ہو، تو ظاہر ہے کہ ٹکس ناقص ہوگا، اور اس سے حصول آمدنی کی غرض بدرجۂ ادنیٰ پوری ہوگی،

(۶) قانون تغیر پذیری: ٹکس متعدد ذرائع پر مختلف شرحون سے اس طرح قائم کرنا چاہئے کہ حسب حالات اس کی مقدار ماحصل مین اضافہ و تخفیف ہو سکے،

یہ ۶ قانون ہوئے جن کا ٹکس قائم کرنے مین لحاظ رکھنا ضروری ہے، کیونکہ ان کی خلاف ورزی سے عام مرفہ الحالی اور معاشی ترقیون کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے،

جزیہ قائم کرتے وقت ان قوانین کو پیش نظر رکھا گیا تھا، یا نہین؟ اس کا جواب ذیل مین دیا جاتا ہے،

پہلا قانون معدلت یا عدل ہے اس کی تعریف مین یہ الفاظ "اپنی اپنی قابلیت کے تناسب" ہمیشہ سے معاشی علماء کے اختلاف کا آماجگاہ رہے ہین، یہ امر کہ محصول انصاف سے قائم کرنا چاہئے بالکل مسلم ہے، لیکن یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ اور محصول کے تقرر مین کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئین؟ اس کے متعلق علما نے چند راستے اختیار کئے ہین، جو محصول فی معاوضہ خدمات، محصول مساوی، محصول متناسب (Proportional tax) وغیرہ کی شکل مین موجود ہین،

لیکن ان سب سے بہتر طریقہ محصول متزاید یا تدریجی (Progressive tax) کا ہے جو آج کل ہر جگہ اختیار کیا جا رہا ہے، اس طریقہ کے مطابق یہ ضروری ہے کہ ٹکس لگانے مین تدریج سے کام لیا جائے یعنی

Marfat.com

(الف) ٹیکس مالی حالت کے فرق کے بموجب بشرح مختلف قائم ہو، امراء پر بشرح اعلیٰ، متوسطین پر بشرح متوسط، اور غرباء پر بشرح ادنی، تاکہ تمام ٹیکس ادا کرنے والے مساوی بار یا ایثار محسوس کریں۔ تشخیص جزیہ میں امراء، متوسطین، اور غرباء کے ۳ طبقے مالی حالت کے اختلاف کی بنا پر قرار دیئے گئے ہیں، اور ان پر بشرح مختلف ۱۲، ۲۴، ۴۸ درہم سالانہ یا ۴ر، ۲ر اور ۱ر ماہوار محصول لگایا گیا ہے۔

(ب) شرح محصول مختلف ہونے کے باوجود ایک حد تک محدود ہو یعنی اس پر متواتر اضافہ نہ ہو سکے تاکہ اضافۂ آمدنی کسی حالت میں لوگوں کے لئے ضرر رساں نہ ہو، اور اجتماعِ دولت، بلند حوصلگی، اور کفایت شعاری کے راستہ میں نامناسب مزاحمتیں پیدا نہ ہو جائیں۔ یہ بالکل بدیہی ہے کہ "طلائی انڈے دینے والی مرغی کو ذبح کر ڈالنا کوئی عقلمندی کا کام نہیں"، تاہم موجودہ معاشیین محصول متزائد کے مسئلہ پر غور کرتے وقت اس چیز کو بہت کم پیش نظر رکھتے ہیں، اور اس لئے آمدنی کی مقدار بڑھنے کی حالت میں وہ برابر شرحِ محصول میں اضافہ کرتے جاتے ہیں، بخلاف اس کے اسلام نے دولت و افلاس کے لحاظ سے انسانی طبیعتوں کے لئے جزیہ کی جو شرح مقرر کی، وہ اگرچہ بذاتِ خود مختلف ہے، تاہم ہر شرح محدود ہے یعنی بالفاظ دیگر ہر طبقہ کی آمدنی کے متعدد مدارج قرار دے کر ان کے لئے علٰحدہ علٰحدہ شرحیں قائم نہیں کی ہیں، بلکہ تمام غرباء کے لئے ایک شرح ہے، تمام متوسطین کے لئے ایک اور تمام امراء کے لئے ایک۔ اس سے ہر طبقہ پر جزیہ کا یکساں الگ الگ بار پڑتا ہے اور کسی خاص طبقہ کو زیادہ استطاعت کی وجہ سے جزیہ بارِ گراں نہیں معلوم ہوتا۔

(ج) آمدنی جب تک ایک خاص مقدار تک نہ پہنچے، محصول کا مطالبہ نہ کیا جائے، چنانچہ جزیہ اس شخص سے نہیں لیا جاتا، جو ۲۰۰ درہم سے کم کا مالک ہو، یا جس کی آمدنی خاندان کی پرورش کے لئے ناکافی ہو، کیونکہ ایسا شخص محصول ادا کرنے کی قابلیت ہی نہیں رکھتا، چنانچہ زکاۃ کے لئے بھی کم سے کم دو سو درہم کا مالک ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

Marfat.com

دوسرا قانون **تیقن** ہے جس کو تعیین بھی کہتے ہیں، اُس کے رو سے جزیہ کی شرح ہمیشہ معین رہی ہے، جزیہ ادا کرنے والے کو اپنی مالی حیثیت کے مطابق واجب الادا رقم کی صحیح مقدار کا علم ہوتا ہے، جس کی بنا پر جبر یا دھوکے سے کوئی شخص سرکاری مطالبہ سے زیادہ وصول نہیں کر سکتا، جزیہ کی شرح میں تغیر و تبدل نہیں ہے، اس کی ادائگی کا وقت مقرر ہے، یعنی سال تمام پر وصول کیا جائے[1]، ادائگی کا طریقہ بھی بتلا دیا گیا ہے یعنی جانور، سامان، اور پیشہ کی ہر چیز رقم جزیہ کے عوض پیش کی جا سکتی ہے، صرف مردار، سور، اور شراب پیش نہ کرنا چاہئے، اور اگر یہ چیزیں آئیں تو اہلِ پیشہ کے ذریعہ سے ان کو فروخت کرا کر اُن کی قیمت دفتر میں جمع کرنی چاہئے، کیونکہ اس میں اہلِ جزیہ کو سہولت ہوتی ہے[2]،

تیسرا قانون **سہولت** ہے، جزیہ کے ذرائع اور اس کی وصولی کے اوقات جن کا دوسرے قانون میں ذکر ہوا، درحقیقت ایسے تھے کہ جزیہ دینے والوں کا کوئی نقصان اور ہرج نہ ہوتا تھا، نہ ان کو کوئی دقت اور دشواری محسوس ہوتی تھی،

چوتھا قانون **کفایت** ہے، اس کے ۳ مفہوم ہیں، پہلے مفہوم کے رو سے جو کچھ فراہمی جزیہ میں صرف ہوتا ہے، اس کی مقدار بمقابلہ ماحصل جزیہ ادنیٰ سے ادنیٰ ہوتی ہے یعنی اس کے فراہم کرنے کے مصارف اصلی مطالبات سے کم اور بہت کم ہوتے ہیں، دوسرے مفہوم کے رو سے جزیہ ادا کرنے والوں کو مقدار جزیہ سے زیادہ دینا نہیں پڑتا، کیونکہ وہ کاروبار میں بہت کم حارج ہوتا ہے، تیسرے مفہوم کے رو سے جزیہ افزونی دولت، اور اضافہ مرفہ الحالی میں مانع اور مزاحم نہیں ہے،

پانچواں قانون **پیداآوری**، جزیہ کی رقم کی آمدنی نہایت معقول ہوتی ہے، اور اس سے مصارفِ حکومت کے واسطے آمدنی پیدا کرنے کا منشا حاصل ہوتا ہے، اور سلطنتوں کو چھوڑ کر خود اورنگزیب کے زمانہ میں صرف گجرات سے جزیہ کی رقم جس قدر وصول ہوتی تھی، وہ سرجدوناتھ سرکار اور ہمارے معترض ارسطو دونوں

---

[1] جسوناص ۲۰۲ ج ۱، [2] کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۶۹،

کو کھٹکتی ہے،

چھٹا قانون تغیر پذیری ہے، ٹکس متعدد ذرائع پر مختلف شرحون سے اس طرح قائم کرنا چاہئے کہ حسب حالات اس کی مقدار ماحصل مین اضافہ و تخفیف ہو سکے، یہ نہین کہ مصارفِ حکومت کے واسطے خواہ رقم زیادہ درکار ہو، یا کم ہر حالت مین ماحصل ٹکس کی مقدار وہی ایک رہے، جو کبھی خرچ کے واسطے بھی ناکافی ہو، اور کبھی زائد بچ رہے، بہ الفاظِ مختصر، ماحصلِ ٹکس جس حد تک کمی و بیشی مصارف کی متابعت کرے بہتر ہے، جزیہ مین اس شکل کے علاوہ جب کسی شہر یا علاقے سے کوئی خاص رقم طے ہو جائے، ہمیشہ اس قانون کا لحاظ رکھا جاتا ہے، وہ مختلف پیشون پر مختلف شرحون سے حسبِ حیثیت وصول کیا جاتا ہے، اس مین کمی و بیشی کا بھی اختیار ہے، چنانچہ تخفیف جزیہ کے بعض واقعات امام ابو یوسف اور یحییٰ بن آدم کی ہمنام تصنیفات (کتاب الخراج) سے اوپر نقل کئے گئے ہین، اور معافی جزیہ کی نسبت موازنہ کا مسئلہ بھی درج کیا گیا ہے،

بیاناتِ بالا سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ چونکہ جزیہ ان تمام قوانین و اصول کا پابند ہے، اس لئے معاشی حیثیت سے وہ نہایت عمدہ محصول ہے، کیونکہ وہ تمام محصول جو ان اصول کے پابند نہ ہون، یا کم پابند ہون معاشیین کے نزدیک ناقص ہوتے ہین،

Marfat.com

(۴)

از مولانا سعید انصاری صاحب سابق رفیق دارالمصنفین

یہ ثابت ہونے کے بعد کہ جزیہ موجودہ معاشی معیار سے ایک بہترین محصول ہے، آیندہ یہ دکھایا جائیگا کہ اسلام کے علماے معاشیات نے اس پر کس حیثیت سے بحث کی ہے، ہم نے جہاں جزیہ کے سات نظریات بیان کئے ہیں، وہیں مبسوط کے حوالہ سے یہ بھی دکھایا ہے کہ جزیہ کی حیثیت محصول مکان کی ہے، یہ حیثیت کس طرح نمایاں کی گئی ہے؟ اس کا جواب آگے آتا ہے،

معاشیات کے متعدد مسائل کی طرح محصولِ مکان کی بحث بھی معمول سے زیادہ پیچیدہ اور توجہ طلب ہے، تاہم مختصراً بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے، محصول سے مراد مکان کی ملکیت کا خراج ہے، لیکن اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ جو رعایتیں کی ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مکان کو غیر مسلم کی ملکیت[1] تصور کرتے ہوئے بھی وہ اس سے ملکیت کا محصول طلب نہیں کرتا، بلکہ سکونت کا محصول مانگتا ہے، اس طرح زمین کے متعلق مکانات کی اصلی پوزیشن کو قائم رکھتے ہوئے بھی اسلام وصولی محصول کے وقت اس کو گویا "دار[2]" فرض کر لیتا ہے،

---

[1] مبسوط ص ۱۸ جلد ۱۰ فانتفع الیسکن دار نفسہ یہ مصنف کا نظریہ ہے۔ [2] ایضاً ص ۸، جلد ۱۰، ولا یمکن من السکنیٰ فی دار الغیر الا بکراء یہ معاشی علماء کا خیال ہے۔

اور اس پر ہلکا ٹیکس لگتا ہے، پھر دوسری رعایت یہ بھی ہے کہ ۲۰۰ درہم سے کم آمدنی والے پر کرایہ کا کوئی محصول نہیں اور وہ مستثنیٰ ہے،

مسلمان معاشی علما نے محصولِ مکان کے نظریہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ فقیر کو مکان کے لئے ایک درہم (چار آنہ) ماہوار دینا کافی ہے، متوسط الحال کو اس سے زیادہ کی ضرورت ہے، اس لئے اس کا دوگنا (دو درہم یا آٹھ آنے ماہوار) ہونا چاہئے، اور جو بہت بڑا غنی ہو، اس کی بھی یہی حالت ہے، (یعنی اس کو متوسط الحال سے بھی زیادہ بڑے مکان کی ضرورت ہوتی ہے) اس لئے دو درہم کا دوگنا چار درہم یا ایک روپیہ ماہوار اس کا کرایہ ہونا چاہئے) یہ نظریہ مبسوط (ص ۰، جلد ۱۰) میں درج ہے، اور اس کو پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ مکان کو مالی حالت کا معیار فرض کیا گیا ہے،

گذشتہ عنوان میں جن چھ قانونوں کا حوالہ دیا گیا ہے، جزیہ محصول مکان ہونے کے بعد بھی ان کا پابند نظر آتا ہے، مثلاً اس کی پیدا آوری[۱] یہ ہے کہ ۲۰۰ درہم سے کم مالیت والوں پر عائد نہ ہونے کے باوجود اس کی مقدار معقول رہتی ہے، کفایت[۲] یہ ہے کہ اس کی فراہمی میں زیادہ خرچ نہیں پڑتا، نہ مقدار معین سے زیادہ دینا پڑتا ہے نہ ترقی دولت اور مرفہ الحالی میں مزاحم ہے، کیونکہ اس کی شرح مناسب ہے، عدل[۳] یہ ہے کہ کرایہ مکان (در اصل خود مکان) کی حیثیت مکاندار (اب کرایہ دار) کی مالی حالت کے مطابق ہے، (بلکہ در اصل مکان کی حیثیت کرایہ سے بدرجہا زیادہ ہے) تغیر پذیری[۴] یہ ہے کہ معاشی ترقیوں کے ساتھ مکانات کی قیمت اور کرایہ بڑھتا رہتا ہے، تعین[۵] خود اختیاری ہے، سہولت[۶] ظاہر ہے،

کیا جزیہ فرقہ وارانہ محصول ہے؟ | معاشیات میں یہ بھی معیوب سمجھا جاتا ہے کہ کسی ملک میں فرقہ وارانہ محاصل قائم کئے جائیں: ہمارے ملک کے سفری پر مدے جو بقول مسٹر چیلنیڈ ہندوستان کے ذریعہ انگلستان کو تونگر بنانا چاہتے ہیں[۱]

---

[۱] مالیات عامہ اور ہمارے افلاس کے اسباب ص ۳، از جے سی کمان، ایم اے، بی ایس سی، مترجمہ قاضی محمد حسین بکڈپو انڈین اوتھ لک،

Marfat.com

اسلام کو اس بات کا ملزم ٹھہراتے ہین کہ اوس نے فرقہ وارانہ محصول غیر مسلمون پر قائم کیا تھا، اور اس طرح معاشی حیثیت سے ایک فاش غلطی کی تھی، نظریۂ قومیت کے یہ مبلغین جب اس الزام کا اعادہ کرتے ہین تو ان کے چہرون پر فرحت و انبساط کی لہرین دوڑنے لگتی ہین، ہم الزامی جواب کے طور پر اگرچہ اس سلسلہ مین انگلستان کی تاریخ کے اس دور کو پیش کر سکتے ہین جس مین ٹیوڈر خاندان حکمران تھا، لیکن ایسا کرنے سے صرف ایک عیب کی پردہ پوشی ہوگی جس کو ممکن ہے کہ معاشین کے لائق اور تعلیم یافتہ دماغ اپنی توہین خیال کرین، اس لئے ہم اصل حقیقت پر متوجہ ہوتے ہین،

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ محصول کا مفہوم ادا کرنے کے لئے عربی زبان مین دو لفظ پہلے سے موجود تھے، خراج اور جزیہ، اور دونون فرقہ واری اور ذلت کے مفہوم سے خالی تھے، اسلام کے بعد زمین کے محصول کا اصطلاحی نام خراج رکھا گیا، جو (Land Tax) کا مرادف ہے، انسانون کی آمدنی کے محصول (Income Tax) کے دو نام رکھے گئے۔

(۱) اگر وہ فی سیکڑہ کی شرح یا دوسری شرحون سے قائم کیا گیا ہو، اور اس کا طریقہ آج کل کے محصولِ مجموعی (Plural Taxation) کا ہو تو اس کا نام زکوٰۃ ہے، اور یہ مسلمانون سے لیا جاتا ہے، (اس مین بہت سی چیزون کی زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے، اور بحیثیت مجموعی زکوٰۃ دینے والون پر مساوی بار پڑتا ہے)

(۲) اور اگر محصولِ مجموعی کے طرز پر ہونے کے باوجود مختلف طبقون کی مالی حالت کا لحاظ کرتے ہوئے مختلف شرحون سے قائم کیا گیا ہو، تو اس کا نام جزیہ ہے، اور غیر مسلمون سے لیا جاتا ہے،

اس سے ثابت ہوا کہ زکوٰۃ اور جزیہ کے نامون کا فرق، فرقہ وارانہ جذبات کی وجہ سے نہین پیدا ہوا بلکہ شرحِ محصول کے اختلاف کی بنا پر پیدا ہوا ہے جس طرح انکم ٹکس، ہاؤس ٹکس، امپیریل ٹیکس، پرسنل اینڈ فرنیچر ٹیکس وغیرہ علٰحدہ علٰحدہ نام شرحون کے مختلف ہونے کی وجہ سے رکھے گئے ہین،

Marfat.com

کیا جزیہ بھاری محصول ہے؟ زکوٰۃ اور جزیہ کا بلا واسطہ متزاید محصول جو اسلام نے مسلمان اور غیر مسلموں پر لگایا تھا، اگرچہ شخصی حکومتوں کے زمانہ میں رائج نہیں ہو سکتا، تاہم یہ اسلام کا حیرت انگیز معجزہ ہے کہ اس نے تمام ادوارِ حکومت (یعنی جمہوریت و شخصیت) میں یہ محصول ہمیشہ قائم رہا، اور آج کل کے سرمایہ داروں کے علی الرغم اوس زمانہ کے دولتمندوں نے اوس کو بطیب خاطر برداشت کیا، اس محصول کا تقرر دو مختلف اصول کو پیش نظر رکھ کر ہوا ہے،

(۱) اسلامی سلطنت چونکہ مسلمانوں کی قومی سلطنت تھی، اس لئے محصول متزاید (Progressive increase) کی وہ شکل اختیار کی گئی جس میں آمدنی کے اضافہ کے ساتھ ساتھ محصول کی رقم برابر بڑھتی جاتی ہے، گو شرح ایک ہی رہتی ہے، اور اس محصول کا بار دولت مند طبقہ پر زیادہ پڑتا ہے،

(۲) اسلامی سلطنت چونکہ غیر مسلموں کی قومی سلطنت نہ تھی، اس لئے محصول متزاید کی دوسری شکل پسند کی گئی جس میں ہر طبقہ کی الگ الگ حسب حیثیت ایک ایک شرح ہوتی ہے تاکہ مجموعی طور پر کسی ایک طبقہ پر زیادہ بار نہ پڑے، اور رقم محصول میں شرح کی وجہ سے اضافہ نہ ہو سکے،

چونکہ یہ دونوں محصول (زکوٰۃ اور جزیہ) آج کل کی اصطلاح میں انکم ٹکس (Income tax) کہے جا سکتے ہیں، اس لئے مناسب ہوگا کہ انکم ٹکس سے جزیہ کا موازنہ کیا جائے تاکہ معترضین کو یہ نظر آئے کہ آج کل کا یہ مقبول ٹکس اسلام کے اس ناپسندیدہ محصول پر کیا فضیلت رکھتا ہے؟

انکم ٹکس کی شرح ۱۹۱۶ء تک یہ تھی،

ہزار سے لے کر دو ہزار سے کم تک	۴ پائی فی روپیہ
۲ ہزار " ۵ ہزار " "	۵ " "
۵ ہزار " ۱۰ ہزار " "	۶ " "
۱۰ ہزار " ۲۵ ہزار " "	۹ " "

Marfat.com

۲۵ ہزار سے لے کر زیادہ	۱ر فی روپیہ ؛

۱۹۱۷ء میں سوپر ٹیکس (Super tax) حسب ذیل ہوگا ،

۲۵ ہزار سے لیکر ۵۰ ہزار تک	۱ر فی روپیہ ؛
۵۰ ,, ایک لاکھ	۲ر ,,
ایک لاکھ ,, ڈیڑھ لاکھ	۲؍ر ,,
ڈیڑھ لاکھ ,, دو لاکھ	۳ر ,,
دو لاکھ سے لیکر ڈھائی لاکھ تک	۳؍ر ,,
ڈھائی لاکھ ,, اوپر	۴ر ,,

یہ بھی واضح رہے کہ اس میں عورتیں، بچے، پاگل، بڈھے، اپاہج، اور ہر صاحب آمدنی جو ایک ہزار سے اوپر کماتا ہو، سب شامل ہیں، ٹیکس سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے، البتہ جو ایک ہزار روپیہ سے کم آمدنی رکھتے ہیں، وہ مستثنیٰ ہیں، خواہ تندرست ہوں یا بیمار، عورتیں ہوں یا مرد، بڈھے ہوں یا بچے،

جزیہ کی شرح یہ تھی، اور ہمیشہ یہی رہی :

فاضل رقم صہ ر تک	ے رسالانہ
صہ ر سے لے کر ڈھائی ہزار تک	سے رسالانہ
ڈھائی ہزار سے ,, اوپر	عـہ ر ,,

یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ عورتیں، بچے، اور مخبوط الحواس جزیہ سے بالکل مستثنیٰ تھے، ان کے علاوہ اور لوگ جن کا کاروبار چلتا ہو خواہ اس کو وہ خود چلاتے ہوں، یا کارندوں کے ذریعہ سے انجام پاتا ہو،

لہ انکم ٹیکس کی موجودہ شرح اس سے کہیں زیادہ ہے، جو شاید مضمون نگار کو معلوم نہ ہوگی، اس حساب سے انکم ٹیکس کا بار ۱۹۱۶ء کی شرح سے بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے،

Marfat.com

جزیہ ادا کرتے تھے،

فرض کیجئے کہ ایک شخص کے پاس ایک ہزار روپیہ ہے، تو ۳ پائی فی روپیہ کے حساب سے اس کو سال میں ۱۳/۱۲ انکم ٹکس ادا کرنا پڑے گا، حالانکہ اس کے جزیہ کی رقم صرف سے رسالانہ ہوگی، اسی طرح اگر ایک شخص کے پاس پانچ لاکھ روپیے ہیں تو ان کا انکم ٹکس ۳ر فی روپیہ کے حساب سے ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ ہوگا، اور جزیہ صرف ع۸ر!

ناظرین انصاف فرمائیں کہ سوا لاکھ کی رقم گران ہے یا بارہ روپیے! اور انکم ٹکس رعایا کے لئے سہل و مفید ہے یا جزیہ ؟

جزیہ کا اثر معاشیات اسلام پر | شاید اس موازنہ سے یہ خیال پیدا ہو کہ جزیہ کا بار امرا پر بہت کم پڑتا تھا لیکن متوسطین اور غربا اس کے بار کے نیچے دبے ہوئے تھے، اس لئے سلطنتِ اسلامیہ کی معاشی حالت کا سرسری طور پر جائزہ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ غیر مسلم اسلامی سلطنت کے زیر سایہ معاشی حیثیت سے کس حالت میں زندگی بسر کرتے تھے،

مسٹر ہوبسن (J. A. Hobson) نے کام اور دولت (Work and Wealth) میں اندازۂ تونگری کے لئے پیمانۂ زر کے بجائے انسانی خوشحالی کے ایک درجہ کو پیمانہ بنانا پسند کیا ہے[۱] لیکن اسلام نے ایک درجہ کے بجائے انتہائی درجہ کو پیمانہ بنانا اپنا نصب العین قرار دیا تھا، چنانچہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پایۂ تخت کے ایک دور افتادہ صوبہ (عراق) کی سب سے کمزور آبادی (بیوہ عورتوں) کی بہترین معاشی حالت کو وفات سے ۴ روز قبل ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا،[۲]

"اگر خدا نے مجھکو زندہ رکھا تو میں اہل عراق کی بیوہ عورتوں کو ایسی حالت میں چھوڑ جاؤں گا،

---

[۱] مالیاتِ عامہ اور ہمارے افلاس کے اسباب ص، از جے سی، کمارپا مترجمہ قاضی محمد حسین [۲] صحیح بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ

کہ میرے بعد اُن کو کسی شخص کی امداد کی احتیاج باقی نہ رہے گی"،

اور آئندہ خلیفہ کو عین اُس وقت جب وہ بستر مرگ پر تھے، غیر مسلموں کے متعلق یہ وصیت فرمائی تھی[1]،

"اور میں اس کو اُن لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں، جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے کہ اُن سے جو معاہدہ ہے وہ پورا کیا جائے، اور اُن کی حمایت میں لڑا جائے، اور اُن کو اُن کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے"۔

ان احکام اور اعلانات کا نتیجہ یہ تھا کہ بعد کے زمانہ میں ہمیشہ غیر مسلم رعایا کی خوشحالی کا خیال رکھا گیا، جزیہ کی شرح جس قدر کم تشخیص کی گئی تھی، اس کا بیان ابھی ہو چکا ہے، تاہم جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، جزیہ کی یہ شرح مجموعی آبادی کی معاشی حالت کا اندازہ کر کے تخمینی دولت و ثروت کے لحاظ سے سہولۃً مقرر ہوئی تھی ورنہ اندرونی طور پر بعض صوبوں میں گزشتہ معیار دولت کے علاوہ بعض اور معیار بھی پائے جاتے تھے، اور انہی کے مطابق جزیہ وصول کیا جاتا تھا، اسی بنا پر شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط (ص ۸۰، ج ۱۰) میں لکھا ہے، کہ

"یہ ممکن نہیں ہے کہ مال کا کوئی صحیح اندازہ کیا جا سکے، کیونکہ وہ شہروں کے (حالات کے) مطابق مختلف ہوتا ہے"۔

اس کا یہ مطلب ہے کہ غربا، متوسطین اور امرا کی دولت کا جو معیار ۲۰۰، ۱۰ ہزار، اور زیادہ کی شکل میں قائم کیا گیا ہے، وہ دراصل غربت و تموّل کا کوئی صحیح معیار نہیں ہے، کیونکہ بعض صوبے زیادہ متمول ہیں بعض اُن سے کم، اور بعض ان سے بھی کم، اس لئے ہر جگہ کا معیار بالکل مختلف ہوگا، اسی نکتہ کا خیال کر کے امام ابوجعفر (طحاوی) کہتے ہیں[2]،

"ہر شہر کا عرف معتبر ہے، جس شخص کو لوگ اپنے شہر میں فقیر یا متوسط، یا غنی شمار کریں، وہ ویسا ہی سمجھا جائے گا، اور یہی صحیح مذہب ہے"۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبیؐ [2] فتاوائے عالمگیری ص ۲۴۴، ج ۲

Marfat.com

اس نقطۂ نظر کے مطابق تشخیص جزیہ میں جو تغیر پیدا ہوا، وہ سطور ذیل سے ظاہر ہوگا،

پہلی صدی ہجری میں شام کا صوبہ ذرائع آمدنی زیادہ رکھتا تھا ، اس لئے زیادہ خوشحال تھا

یمن کا صوبہ معاشی حیثیت سے اس کی برابری نہیں کرسکتا تھا، اس لئے دونوں صوبوں کے جزیہ کی شرح

مختلف رکھی گئی، شام میں فی کس ۴ دینار سالانہ، اور یمن میں ایک دینار سالانہ وصول کیا جاتا تھا، اس

کا سبب جب مشہور تابعی مجاہد سے دریافت کیا گیا، تو بولے کہ

"دولت مندی کی بنا پر ایسا کیا گیا"[1]

پانچویں صدی کے آخر میں اسلامی سلطنت کے دو اہم صوبوں عراق، اور ترکستان کی معاشی حالت

کے متعلق ایک تصریح ملتی ہے شمس الائمہ سرخسی، مبسوط (ص ۸، ج ۱۰) میں لکھتے ہیں کہ

"عراق میں پچاس ہزار کا مالک متوسط الحال سمجھا جاتا ہے، اور ہمارے ملک میں دس ہزار

درہم کا مالک غنی شمار کیا جاتا ہے، اس لئے اس کا فیصلہ امام کی رائے پر چھوڑنا چاہئے"

اس تصریح کا منشا یہ ہے کہ صوبوں کے معیار دولت کا صحیح اندازہ امام کرسکتا ہے اور وہی شرح

جزیہ کو مالی حالت پر منطبق کرنے کا بھی مجاز ہے، مثلاً جس صوبہ میں ۲۰۰ درہم سے لے کر ۱۰ ہزار تک کا مالک

متوسط سمجھا جاتا ہے، وہاں وہ اس رقم پر چھ روپے سالانہ جزیہ دیگا لیکن عراق میں چونکہ پچاس ہزار کا

مالک بھی متوسط ہے، اس لئے وہاں پچاس ہزار پر چھ روپیے لئے جائیں گے، اور اس کے اوپر بارہ درہم

امراء کی شرح جزیہ ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر کسی صوبہ کی استعداد پیداوار بڑھتی جاتی ہے

اسی قدر جزیہ کا بار ہلکا ہوتا جاتا ہے، اور یہ اسلامی حکومت کی منفعت بخش پالیسی کا ایک بین ثبوت ہے، (موجودہ

انکم ٹکس میں جس قدر استعداد پیداوار بڑھتی ہے ٹکس کا بار بہت زیادہ ہوتا جاتا ہے، جو آخر میں ناقابل

برداشت ہو جاتا ہے۔)

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد باب الجزیہ والموادعۃ،

Marfat.com

سرجادوناتھ سرکار کا مغالطہ

پروفیسر جدوناتھ سرکار نے اپنی تاریخ دانی کے زعم مین جزیہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس مین پے درپے بہت سی غلطیان کی ہین، جن کا دور کرنا ضروری ہے، سب سے پہلی غلطی بلکہ سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ انھون نے جزیہ کا نام (Poll Tax) رکھا ہے، جو نہ صرف غیر مسلمون بلکہ خود انسانیت کے لئے باعث ننگ ہی، پروفیسر صاحب نے اگر یہ لفظ خود ایجاد کیا، یا اس کے استعمال مین علماے یورپ کی تقلید پسند کی، تو یہ ان کا ذاتی فعل ہے لیکن اگر اس کا جواز کسی اسلامی سند کی بنیاد پر ہے، تو واضح ہونا چاہیے کہ طبری وغیرہ نے جو "جزیۃ الجماجم" یا "جزیۃ الرؤس" کا لفظ لکھا ہے، وہ علم نہین ہے، یعنی اُس ٹکس کا یہ نام نہین ہے بلکہ اس ٹکس سے پہلے چونکہ زمین کی پیداوار اور محصول کا ذکر آگیا ہے، اور آخر مین اس کا نام آیا ہے، اس لیے دوسری پیداوار مثلاً گیہون، جو، ترکاریون وغیرہ کی طرح انسانون کا تذکرہ بھی ضروری تھا، کیونکہ ذکر کے بغیر یہ کیونکر معلوم ہوسکتا تھا، کہ کس چیز کا محصول ہے؟ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ذہن مین رہنی چاہیے کہ طبری نے یہ الفاظ نوشیروانی محصول کے تذکرہ مین لکھے ہین، اس لئے اسلامی عہد کے جزیہ کی نسبت اُن کا اطلاق ثبوت طلب ہی،

دوسرا مغالطہ

دوسرا مغالطہ یہ ہی کہ انھون نے جزیہ کی رقم کا نہایت غلط اندازہ لگایا ہے، اور جزیہ کی مقدار کی زیادتی کو مثال کے طور پر گجرات کے صوبہ مین ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ وہان سالانہ پانچ لاکھ روپیہ کی آمدنی تھی[1]، اور اس کی شکل یہ اختیار کی ہے کہ انڈیا آف اورنگ زیب کے بیان کے مطابق (جس کا حوالہ حاشیہ ص ۴، ۲ تاریخ اورنگزیب مین ہے،) تقریباً ۱۶۹۵ء (۱۱۰۷ھ) مین گجرات کی تحصیل محض یا محاصل خام (Gross Revenue) ۱۴۵ لاکھ روپیہ (ایک کرور پینتالیس لاکھ روپیے) سالانہ تھی جس مین اور جزیہ کی آمدنی مین ۳ ۱/۲ فیصدی کا تناسب ہی، جو اُن کے نزدیک بہت زیادہ ہے اس کے متعلق چند باتین عرض کرنا ہین،

---

[1] مرآۃ احمدی ص ۲۹۳، ج ۱

Marfat.com

(۱) گجرات کے جزیہ اور اس کے تناسب پر تمام ہندوستان کے جزیہ اور اس کے تناسب کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ گجرات میں اگرچہ ہندوؤں کی اکثریت تھی، تاہم پنجاب، کشمیر، اور سندھ وغیرہ میں مسلمان زیادہ آباد تھے، اس لئے ان صوبوں میں جزیہ کی آمدنی کم اور نہایت کم ہوگی، اور تناسب بھی ۳½ فیصدی سے بہت کم ہوگا،

(۲) گجرات کے جزیہ کا تناسب دکھاتے وقت گجرات کی زکوٰۃ کا تناسب بھی دکھانا چاہئے تھا، کیونکہ بقول پروفیسر صاحب (ص ۲۰۴، ج ۲) گجرات میں بہت زیادہ مسلمان آباد تھے،

(۳) زکوٰۃ کی شرح ۲½ فی صدی ہے، اور وہ مختلف قسم کے چیزوں سے وصول کی جاتی ہے،[1] اس مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی میں اس کی تعداد گجرات کے جزیہ کی رقم کے قریب قریب ہوسکتی ہے، اور تناسب بھی شاید وہی ہوسکتا ہے، اس بنا پر اورنگزیب پر مسلمانوں کی پاسداری اور ہندوؤں کی طرف سے ذاتی اغراض کا الزام غلط ہے،

(۴) گجرات کے جزیہ اور محاصلِ خام کا تناسب صرف ۳½ فیصدی ہے، جو بہت کم ہے، لیکن پروفیسر صاحب اس پر بھی متحیر ہیں، حالانکہ اگر اُن کو محصولوں کی اس تعداد اور تناسب کا علم ہوتا، جو آج کل حکومت برطانیہ کے اندر رائج ہیں، تو اُن کی حیرت سکون و خاموشی سے بدل جاتی، مثلاً مطالبات وطن (Home Charges -) کی رقم کو لے لیجئے، جو ہر سال انگلستان چلی جاتی ہے، وہ پرمتھ ناتھ بنرجی کی تصریح کے مطابق مجموعی مداخل (یعنی دو ارب ایک کرور روپیہ) میں چالیس فی صدی سے زیادہ ہے،[2] افیون، نمک، اسٹامپ، چنگی، آبکاری، ابواب، کروڑگیری، انکم ٹکس، رجسٹری، جنگلات، ریلوے وغیرہ سے پچاس کرور روپے سے زیادہ وصول ہوتا ہے، جو مجموعی مداخل (دو ارب ایک کرور) کا کم از کم پچیس فی صدی ہے، (یہ واضح رہے، کہ اورنگزیب کے زمانہ میں آج کل

---

[1] معاشیات ہند، ص ۲۹۵، مترجمہ مولوی محمد الیاس برنی،

کی طرح کثرت سے محصول نہ تھے، بلکہ اکثر محصول معاف کر دیئے گئے تھے،) جزیہ کو اگر فوجی محصول مانا جائے، (جیسا کہ بعض علمار کا خیال ہے) تو اس ۳½ فی صدی محصول کا موازنہ اس ۳۲ کروڑ روپے سالانہ سے کرنا چاہئے، جو ہندوستان کے فوجی انتظام پر حکومتِ برطانیہ صرف کرتی ہے، اور جو محاصل خالص (Net Revenue) کا ۴۲ فی صدی ہے،[1]

غالباً محصولوں کی یہ تعداد اور تناسب حیرت دور کرنے کے لئے کافی ہوگا،

تیسرا مغالطہ | تیسرا مغالطہ یہ ہے کہ انھوں نے اشخاص کی آمدنی سے جزیہ کی شرح کا تناسب معلوم کر کے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے، کہ غربا، پر اس کا بہت زیادہ بار پڑتا تھا، اس کے لئے انھوں نے غریب کی شرح چھ روپیہ فی صدی، متوسط کی چھ فی صدی سے ۴ فی صدی تک (یعنی ۲۰۰ درہم سے ۱۰ ہزار درہم تک حسبِ مدارج) اور امیر کی ۲ فی ہزار شرح تبلائی ہے (صفحہ ۲۷ جلد ۳) اگرچہ آج بھی امرا کے بہ نسبت غربا پر محصول کا بار جس قدر زیادہ پڑتا ہے، اس کی شہادت میں فرد ور لیڈر مسٹر میکڈانلڈ، سابق صدر اعظم ...... حکومتِ برطانیہ کے اقوال گورنمنٹ آف انڈیا، میں درج ہیں، اور سر اے کولن، اور سر ولیم ہنٹر وغیرہ نے بھی اس کے متعلق اظہار خیال کیا ہے، تاہم موجودہ انکم ٹکس کی شرح سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ اس کی شرح ایک ہزار روپیہ سے لے کر ۲ ہزار سے کم تک ۴ پائی فی صدی پچیس ہزار سے زیادہ کی ۳ فی صدی، ۵۰ ہزار سے ایک لاکھ تک کی ۴ فی صدی اور ڈھائی لاکھ سے اوپر کی ۵ فی صدی ہے، اس کو دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ جزیہ کی سب سے کم شرح (بقول پروفیسر صاحب) ۲ فی ہزار ہے، لیکن انکم ٹکس کی سب سے کم شرح ۴ پائی فی ہزار ہے، اسی طرح جزیہ کی سب سے زیادہ شرح ۶ فی ہزار ہے، لیکن انکم ٹکس کی آخری شرح ۵ فی ہزار ہے! ان اعداد سے پتہ چلتا ہے کہ جزیہ میں اگر ایک طبقہ کسی قدر زیادہ بار برداشت کرتا تھا، تو انکم ٹکس میں ہر طبقہ

---

[1] محاصل خالص ۵۰ کروڑ اور محاصلِ خام ایک ارب ۲۰ کروڑ ہیں دیکھو معاشیات ہند صفحات ۲۷۰، ۲۷۸، مترجمہ برنی یہ مضمون کئی سال پہلے کا لکھا ہوا ہے،

Marfat.com

محصول کے بارِ گران سے دبا ہوا ہے،" اور جزیہ میں غربا اگر محصول سے کچھ پریشان ہو سکتے تھے، تو انکم ٹکس سے امرا اس سے کہیں زیادہ پریشان ہو سکتے ہیں! شاید پروفیسر صاحب بار کے اس "تناسب" کو حساب لگاتے وقت بھول گئے تھے،

اگر تمام طبقوں کو یکجا کر کے اس بار کا اوسط نکالا جائے، تو جزیہ کا اوسط صرف ۲ فی صدی ہوتا ہے (کیونکہ متوسطین کا سب سے کم اوسط یہی ہے) لیکن آج کل محصول کا بار اوسطاً آمدنی کے نو فیصدی (یعنی ۱۲ فیصدی) رہتا ہے،[۱] ناظرین ۲ فی صدی اور ۱۲ فی صدی کے تناسب پر غور فرمائیں!

سر جادو ناتھ نے غربا کے متعلق جو متن لکھا تھا، ہمارے "ارسطو" نے اس پر ایک پر لطف شرح تصنیف فرمائی ہے، ارسطو کہتے ہیں، "تقریباً ۲۰ سال میں ساری جائداد ہی غائب غلہ ہو جائے گی" (آریہ گزٹ) ان کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ

(۱) معاشیات کے رو سے جزیہ پر جہاں نظر ڈالی گئی ہے، وہاں یہ لکھا ہے کہ چونکہ جزیہ بلا واسطہ متزائد ٹکس ہے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ شرح کے اضافہ کے ساتھ ساتھ آمدنی کا بھی اضافہ ہو، مثلاً اگر ایک شخص کے پاس پہلے سال ۲۰۰ درہم موجود ہیں، تو وہ غربا کا جزیہ (۱۲ درہم) ادا کرے گا لیکن اگر اس کے پاس آئندہ سال صرف ۵۰ درہم رہ گئے ہیں، تو اس سے کچھ نہ لیا جائے گا، اسی طرح اگر ایک متوسط نے پہلے سال ۲۴ درہم جزیہ ادا کیا، اور آئندہ سال اس کا سرمایہ فقرا کے برابر ہو گیا تو اس سے متوسط کا جزیہ وصول نہ کیا جائے گا، بلکہ فقرا کا محصول لیا جائے گا، اس کی تصریحات فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں، اس بنا پر جزیہ کی وجہ سے جائداد کے "تلف ہونے کا خطرہ نہیں،

(۲) جزیہ میں غریب پر پہلے سال جو بار پڑتا ہے وہ آمدنی کا سولھواں حصہ ہے یعنی پچاس پر تین، لیکن انکم ٹکس میں پہلے ہی سال امیر کی آمدنی کا چوتھائی حصہ (شرح اعلیٰ میں) نکل جاتا ہے یعنی ۵ لاکھ پر سوا لاکھ، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غریب پر جزیہ سے تباہی (اگر آمدنی میں اضافہ نہ ہو) بتدریج اور دیر میں آتی ہے، اور انکم ٹکس پہلے ہی سال امیر کی کمر توڑ دیتا ہے،

---

[۱] معاشیات ہند پرتھ ناتھ بنرجی ص ۹ ۲، مترجمہ مولوی الیاس برنی،

Marfat.com

(۳) جزیہ سے غریب طبقہ دیر میں متاثر ہوتا ہے۔ اور متوسطین و امرا پر کچھ اثر نہیں پڑتا لیکن انکم ٹکس میں سب سے زیادہ امرا تباہ ہوتے ہیں، اور متوسطین و فقرا بھی بربادی سے محفوظ نہیں رہتے،

(۴) بیس سال میں اگر جزیہ پچاس کی جائداد یا آمدنی کو برباد کرسکتا ہے، تو اسی قدر عرصہ میں انکم ٹکس ۵ لاکھ کی رقم اور جائداد پر پانی پھیر سکتا ہے،

چوتھا مغالطہ | چوتھا مغالطہ، تیسرے مغالطہ کی دوسری شکل ہے یعنی اونھون نے جزیہ کی شرح اور غلہ کے نرخ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ غریب طبقہ مظلومی کی انتہائی حد تک پہنچا ہوا تھا کیونکہ ایک غریب کی شرح ٹکس اس کے سال بھر کے مصارفِ طعام کے برابر تھی، (تاریخ اورنگزیب جلد ۳ صفحہ ۲۷۰)

اس "تاریخی دیانت" کی تحلیل کے لئے حسب ذیل امور ذہن نشین ہونے چاہئین،

(الف) جیسا کہ مسٹر ڈبلیو۔ ایچ۔ مورلینڈ نے "ہندوستان وفات اکبر کے وقت" [1] مین لکھا ہے آج کل ہندوستان کی اوسط آمدنی تین صدی قبل کی حالت سے زیادہ نہیں ہے،

(ب) بقول مسٹر پرمتھ ناتھ بنرجی اس زمانہ مین جماعتِ کثیر کی سالانہ آمدنی کا اوسط صرف اٹھارہ شلنگ یعنی للعہ رنی کس ہے، (معاشیاتِ ہند مترجمہ برنی ص ۴)

(ج) مورلینڈ کی تصریح کے مطابق اگرچہ عہد مغلیہ و برطانیہ مین آمدنی کے اوسط کے لحاظ سے کوئی فرق نہین ہے، تاہم اجناس کے نرخ مین سات گنے کا فرق پیدا ہو گیا ہے۔ (اکبر تا اورنگ زیب [2])

(د) ۶۲۳ھ (مطابق ۱۲۳۳ء) کے نرخ سے ایک من گیہون کی قیمت ایک روپیہ تھی ہماشی

---

[1] مترجمہ مولوی حبیب الرحمن خان، ایم اے، ال ال بی ہاشم "ہند کی معاشی حالات شہنشاہ اکبر کی وفات کے وقت" ص ۲۹ [2] مترجمہ مولوی سید ہاشمی فریدآبادی، ہاشم معاشی حالات ہند از اکبر تا اورنگزیب" ص ۲۲۵ ص ۲۲۶،

Marfat.com

حالاتِ ہند از اکبر تا اورنگ زیب، مترجمہ ہاشمی ص ۲۴۶ لیکن ۱۹۳۳ء (۱۳۵۲ھ) کے نرخ سے اس کی قیمت چار روپیہ ہے، (سات گنے کا فرق اس لئے نہین ہے کہ ہم نے مغلیہ کے گران نرخ اور برطانیہ کے ارزان نرخ کو لیا ہے،)

(ک) محصولِ زمین بزمانۂ اکبر کے لحاظ سے ۱۰ بسوہ کی مالگذاری عہ تھی، (۱۰ بسوہ مین ۴ من ۲۰ ار غلہ بآسانی پیدا ہو سکتا ہے، مالگذاری ثلثِ پیداوار ہوتی تھی، دیکھو آئین اکبری ص ۲۰۷ ج ۱) اور آج کل کے مطابق عا ہے، (بحساب للعہ فی بگھہ)

(و) اگرچہ اورنگزیب کے زمانہ مین محصول کا بار فی کس وہ نہ تھا، جو آج کل ہے، کیونکہ اُس نے بہت سے محصول معاف کر دیے تھے تاہم اس زمانہ کے سرکاری حساب کے مطابق ہم دونون زمانون (مغلیہ و برطانیہ) مین محصول کا بار فی کس عہ ۱۱ پائی فرض کئے لیتے ہین،

اب یہان سے ۳ طریقہ پر حساب شروع ہوتا ہے،

(۱) اگر غلہ کے مصارف فی کس ۴ من ۲۰ ار سالانہ (بحساب ۱۰ روپیہ) رکھے جائین، تو للعہ ۱۴ سالانہ آمدنی والا شخص عہدِ مغلیہ مین للعہ کا غلہ عہ مالگذاری اور عہ ۱۱ پائی محصول ادا کر کے عہ ۵ پائی کپڑے وغیرہ کے لئے بچا سکتا تھا لیکن عہدِ برطانیہ مین وہ عے کا غلہ عا مالگذاری اور عہ ۱۱ پائی محصول دیکر عہ ۱۱ پائی کا قرضدار ہو جائے گا،

(۲) اگر غلہ کا حساب فی کس ۹ من رکھا جائے، جو سرکار نے (تاریخ اورنگزیب ص ۲۰۰) رکھا ہے، تو عہدِ مغلیہ مین لعہ کا غلہ عا مالگذاری (ایک بگھہ کی) اور عہ ۱۱ پائی محصول پر خرچ کرنے کے بعد وہ صرف پانچ آنے دس پائی کا قرضدار ہوتا ہے جس کو وہ معمولی سی محنت سے ادا کر سکتا ہے لیکن عہدِ برطانیہ مین ۳۴ کا غلہ للعہ مالگذاری (ایک بگھہ کی) اور عہ ۱۱ پائی محصول پر صرف کر کے وہ عے ۱۱ پائی کا قرضدار ہو جائے گا، جو سال بھر کی آمدنی کا پورا دوگنا ہے، اور جس کو وہ سال بھر محنت کر کے بھی ادا

Marfat.com

نہین کرسکتا،[۱]

(۳) اگر جزیہ اور انکم ٹکس وغیرہ کا اوسطہ نہ نکالا جائے، بلکہ ان کی پوری شرح کے مطابق پوری رقم فرض کر لی جائے، تو عہدِ مغلیہ مین للعہ کا غلہ عہ مالگذاری، اور سے رجزیہ ادا کرکے ۹ پائی پس انداز ہونگے، اور سر جادوناتھ کے حساب سے اس رقم کو دوگنا کرکے بھی وہ صرف دس آنے ۲ پائی کا قرضدار ہوگا، لیکن عہدِ برطانیہ مین عہ کا غلہ، عار مالگذاری اور عہ پائی انکم ٹکس ادا کرکے وہ عہ پائی کا قرضدار ہو جائے گا (واضح ہو کہ محصول مین صرف انکم ٹکس کی رقم رکھی گئی ہے، اور بہت سے محصول جو اس زمانہ مین ادا کرنا پڑتے ہین، ان کا حساب نہین لگایا گیا ہے) اور جادوناتھ صاحب کے حساب سے اس پر للعہ سالانہ کا ایسا وزنی بوجھ پڑے گا، جس سے چند ہی سال مین اس کی ایک ہزار کی آمدنی یا جائداد بالکل ہی غائب ہو جائے گی، اس سے ایک بات اور ثابت ہوتی ہے، جزیہ والا صہ کی جائداد یا آمدنی مین جس قدر مطمئن تھا، انکم ٹکس والا الف ہزار کی آمدنی یا جائداد مین بھی اتنا مطمئن نہین ہے، (جزیہ اور انکم ٹکس بالترتیب صہ اور ہزار سے کم پر نہین ہین)

پہلے اور تیسرے حسابون کے لحاظ سے عہدِ مغلیہ مین نصف آمدنی سے کچھ کم رقم پس انداز رہتی ہے، صرف دوسرے حساب کے رو سے پانچ آنے دس پائی، کا قرض رہتا ہے، جو ۳ وین حصہ سے کسی قدر زیادہ ہے، بخلاف اس کے عہدِ برطانیہ مین پہلے اور تیسرے حساب کے مطابق سال کی پوری آمدنی صرف غلہ کے لئے بھی کافی نہین ہوتی، بلکہ للعہ کی مزید ضرورت ہوتی ہے، اور مالگذاری و محصول وغیرہ کے لئے علٰحدہ قرض لینا پڑتا ہے، جو دوسری صورتِ حساب مین سالانہ آمدنی کا پورا دوگنا، اور تیسری صورتِ حساب

---

[۱] معارف:- یہ مضمون کئی سال پہلے کا لکھا ہوا ہے، جب یہ ہوش ربا گرانی نہ تھی، ورنہ اگر آج کل کے نرخ سے حساب لگایا جائے، تو ۹ من غلہ کی قیمت دو سو روپیے کے قریب ہوئی، اور ہندوستان کی آزادی اور قومی حکومت کے زمانہ مین اس حساب سے زندگی بسر کرنے کی کوئی صورت ہی نہین ہے،

Marfat.com

کی ایک شکل میں تین گنے سے کچھ اوپر ہو جاتا ہے۔ [۱]

ان حسابات سے ظاہر ہوگا کہ سرکار نے جو یہ لکھا ہے کہ جزیہ میں غریب طبقہ کے سال بھر کے مصارف طعام غائب ہو جاتے تھے، وہ کسی حسابی اصول پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ ایک ساحرانہ خطابت ہے، جو صرف عوام پر اثر ڈالنے کے لئے کام میں لائی گئی ہے!

پانچواں مغالطہ

پانچواں مغالطہ جزیہ کی "تحصیل" کے متعلق ہے، جس کو انہوں نے سخت تحصیل سے تعبیر کیا ہے، اور اس سلسلہ میں چند واقعات لکھ کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جزیہ کی وصولی میں اورنگ زیب کے حکم سے اتنا تشدد ہوتا تھا کہ غیر مسلم رعایا شورش، مظاہرہ، بلکہ بعض اوقات بغاوت پر آمادہ ہو جاتی تھی،

اس مغالطہ میں پہلی قابلِ اعتراض بات یہ ہے کہ باقاعدہ تحصیل کو "سخت" تحصیل کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، اور امیر عبدالکریم محصلِ جزیہ برہان پور کو سخت وصول کنندہ (a strict collector) کے لقب سے یاد فرماتے ہیں، حالانکہ جس کتاب سے یہ واقعہ لکھا گیا ہے، اس میں میر عبدالکریم کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں،

"میر عبدالکریم را کہ ضابطہ و استاد زادۂ بادشاہی شد و بحلیۂ فضیلت و دیانت آراستہ بود"

(خافی خان ص ۲۷۵ ج ۲)

کیا ضابطہ، ہشیار اور باقاعدہ شخص کو سخت (strict) کہتے ہیں؟

دوسری چیز یہ ہے کہ پروفیسر جادوناتھ نے جزیہ کی سخت تحصیل کا تو ذکر کیا ہے، لیکن اس کے اسباب کا ذکر غائب کر دیا ہے، جو تاریخی دیانت کے خلاف ہے، (تفصیل آگے آتی ہے)

تیسری قابلِ گرفت بات یہ ہے کہ پروفیسر صاحب نے ان واقعات کو بالکل فراموش کر دیا ہے جو

---

[۱] اب ہندوستان کی آزادی اور قومی حکومت کے زمانہ میں اس حساب سے زندگی بسر کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔

Marfat.com

انھی کے ماخذون مین جزیہ کی نرم تحصیل کے متعلق مذکور ہین، مثلاً مرآۃ احمدی (ص ۳۲۱ ج ۱) مین "اورنگزیب" کا دیوانِ صوبہ کے نام یہ حکم مذکور ہے،

"ونیز حکم والا بنام دیوانِ صوبہ در دریافت کہ کسانیکہ بعد وضع جزیہ پیش از ادائے آن یکسال برآنہا گذشتہ وسالِ دوم درآمدہ باشد اگر بے تساہلِ متصدیان سالِ اول نادادہ باشد" موافق قولِ ابی حنیفہ رحمۃ اللہ اصل را اعتبار نمودہ، جزیۂ سالِ اول از آنہا نگیرند، وجزیۂ سالِ دوم بگیرند، واگر از راہِ تمرد جزیۂ سالِ اول ادا نکردہ باشد، موافق صاحبینؒ ہر دو سال از آنہا ستانند"

اس سے زیادہ رعایت کیا ہو سکتی ہے، کہ تحصیلدارون کے مطالبہ کے باوجود اگر غیر مسلمون نے جزیہ نہین دیا ہے، تو وہ معاف کیا جاتا ہے، بشرطیکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جزیہ نہ دینا "سرکشی" کے باعث نہ تھا، (یہ گرہ آگے کھولی جائے گی)

خود پروفیسر صاحب نے اپنی کتاب کے حاشیہ (ص ۲۷۳) مین ایشور داس ناگر کی کتاب فتوحاتِ عالمگیری (باب ۳۵) سے نقل کیا ہے کہ

"شہنشاہ (اورنگ زیب) نے حیدرآباد فتح کرنے کے بعد وہان ایک سال کے لئے جزیہ، سائر اور تمام محاصل معاف کر دیئے، کیونکہ گورنر نے یہ اطلاع دی تھی کہ رعایا غربت کی وجہ سے محصول ادا کرنے کے قابل نہین ہے، اور اگر محصول لیا گیا تو ملک برباد ہو جائے گا"

ایشور داس ناگر گجرات کے "شیخ الاسلام" کے دفتر مین ملازم تھا، اور پٹن مین رہتا تھا، اس کی کتاب کو سرکار نے اپنی تاریخ (جلد اول) کے دیباچہ مین مستند قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود انھون نے متن مین اس واقعہ کا ذکر نہین کیا ہے، بلکہ حمیدالدین خان نیمچہ کی احکام کے حوالہ سے (جس کا سرکار نے انگریزی مین ترجمہ کیا ہے) اس کے متضاد یہ واقعہ لکھا ہے کہ

Marfat.com

"چونکہ جزیہ کی تحصیل کا کام سختی سے ہوتا تھا، اس لئے ہندو تاجر دکن کو چھوڑ کر چلے گئے، اور غلہ کی کمی فوجِ شاہی میں محسوس ہوئی، اس وقت اورنگزیب نے امرار کی رائے کے مطابق دکن کا جزیہ معاف کیا۔"

حیرت ہے کہ اس روایت کے استناد اور پہلی روایت کے عدم استناد کی نسبت کوئی رائے نہ رکھنے کے باوجود سرکار نے خواہ مخواہ اس روایت پر کیونکر اعتماد کر لیا ؟ کیا ایک مورخ کی حیثیت سے تحقیق کی ذمہ داری اُن کے سر نہ تھی !

ان گزارشات کے بعد اب اصل مغالطہ کی جانب توجہ کیجاتی ہے لیکن اُس کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پیشتر سرکار کی حسب ذیل عبارت پیش نظر رہنی چاہیئے،

"قدیم مسلم فرمانروایانِ ہند کے زمانہ میں جزیہ برہمنوں کو مستثنیٰ کر کے تمام ہندوؤں پر مقرر ہوا تھا، جو اس مبقرانہ اور مسالمانہ نظام میں معاف رکھے گئے تھے، جس کو سندھ میں محمد بن قاسم نے پیدا کیا تھا، فیروز شاہ نے اپنی پیرانہ سالی میں اس امتیاز کو مسترد کر دیا، اور برہمنوں پر دوسرے کفار کی طرح محصول لگایا۔ اکبر کی دانشمندانہ سیاست دانی نے اس محصول کو منسوخ کر دیا" "ذلت کی ایک ہیجان انگیز علامت کو رعایا کی اکثریت سے ہٹا دیا، ایک صدی کے بعد اورنگزیب نے اس سیاست کو پلیٹ دیا، (تاریخ اورنگزیب ص ۲۶۷، ۲۶۸)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ آغازِ حکومتِ اسلامیہ سے لے کر عہدِ اورنگزیب تک برابر ہندوستان میں جاری رہا، صرف اکبر کی حکمتِ عملی کے سبب سے سو برس تک اس کا نفاذ نہیں ہوا، اورنگزیب نے پھر قدیم دستور کے مطابق اس کو جاری کر دیا،

اب سوال یہ ہے کہ وہ محصول جو ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے وقت سے تھا، اور جس پر غیر مسلم رعایا نے کبھی شور نہیں مچایا، آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ اورنگزیب کے زمانہ میں اس کے متعلق ناراضی پیدا

Marfat.com

ہوئی ؟ بلاشبہ فیروز شاہ نے جب برہمنون پر جزیہ تشخیص کیا تھا، تو اُن کی طرف سے "پُرامن نافرمانی" ہوئی تھی اور بھوک ہڑتال چند روز تک قائم رکھی گئی تھی، لیکن چونکہ برہمنون کا جزیہ سے استثنا سلاطین قدیم کی غلطی تھی، اس لئے فیروز شاہ نے کچھ پروا نہ کی، اور خود ہندوستان نے برہمنون کو سمجھا کر بھوک ہڑتال سے باز رکھا[1]، اور پھر عرصہ تک جزیہ کے خلاف کوئی آواز نہین اٹھائی گئی، لیکن اورنگزیب کے زمانہ مین دفعۃً ایک ہیجان پیدا ہوا، جس نے ملک کے متعدد حصون مین آگ لگادی، فیروز شاہ کے زمانہ کے برہمن تو اپنی امتیازی شان قائم نہ رہنے پر ناراض تھے، اورنگزیب کے زمانہ کے ہندوؤن کو کس بات کا گلہ ہوسکتا تھا ؟

علامہ شبلی مرحوم نے مضامین عالمگیر (ص ۴۰) مین اس سوال کا یہ جواب دیا ہے، کہ چونکہ یہ محصول (جزیہ) ایک مدت سے موقوف ہوچکا تھا، اوس کا نئے سرے سے قائم کیا جانا کیونکر گوارا ہوسکتا تھا؟" لیکن جب یہ واقعہ ہے کہ جزیہ نہایت قدیم محصول تھا، اور ہندوستان صدیون سے اس کا عادی تھا، اور اورنگزیب نے ۱۰۷۰ھ سے لے کر ۱۰۸۰ھ تک تمام خلاف شریعت محصول اور نذرانے بند کر دیئے تھے[2]، اور اُن کے بجائے نہایت خفیف محصول (جزیہ) ۱۰۹۰ھ مین جاری کیا تھا تو پھر ایسے محصول کی اتنی شدید مخالفت اور اس کے خلاف بغاوتین سمجھ مین نہین آتیں،

سرجادوناتھ سرکار نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ محصول "ذلت" کی ایک علامت تھی، جس سے بغض وحسد کے جذبات مین ہیجان پیدا ہوتا تھا، نیز تحصیل کی شدت بھی مظاہرون اور بغاوتون کا باعث تھی، آخری بات کا جواب اسی عنوان مین اور پہلی چیز کا گذشتہ صفحات مین آچکا ہے،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان بغاوتون سے اسلامی سیادت کی مخالفت مقصود تھی، ہم نے اوپر لکھا ہے کہ بلا واسطہ ٹکس سے سیاسی بیداری پیدا ہوتی ہے، اور جزیہ اس کا شاہد عدل ہے کہ اس کی وجہ سے یہ بیداری ہندوؤن مین پیدا ہوئی، سب سے پہلے فیروز شاہ کے زمانہ مین برہمنون نے سیاست مین قدم رکھا،

---

[1] تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴ [2] یہ واقعات خافی خان نے لکھے ہین، اور الفنسٹن کی تاریخ مین اس کا تذکرہ کیا ہے،

Marfat.com

اور ہمارے اس زمانہ کے لیڈروں کی طرح اُس زمانہ میں بہت سے لیڈر پیدا ہو گئے، جنھوں نے پرامن ترک موالات کا مقاطعۂ جوعی کی شکل میں آغاز کیا، جس سے شہر کے تمام ہندوؤں کو اُن سے ہمدردی پیدا ہوئی، بعد میں شاید آگے چل کر یہ چنگاری اندر اندر سلگ کر اور بھڑکتی، لیکن اکبر کی حکمت عملی نے اس کے ضرر سے محفوظ رہنے کے لئے، خود اس محصول ہی کو موقوف کر دیا[1]، اور یہ آگ کچھ عرصہ کے لئے دب گئی، اورنگزیب کے زمانہ میں راجپوتانہ کے راجپوتوں اور مہاراشٹر کے مرہٹوں نے ازسرنو اس آگ کو ہوا دی، جس پر جزیہ کی دوبارہ تشخیص نے تیل کا کام دیا، اور سیواجی، مہارانا چتوڑ اور راجہ جسونت[2] وغیرہ نے سلطنت مغلیہ کے خلاف وہ فضا پیدا کی کہ راجپوتانہ کی طرح دکن بھی اس سے متاثر ہوا، اور مختلف مقامات میں مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی، سیواجی نے جزیہ کے متعلق بارگاہ سلطانی میں جو خط بھیجا تھا، اس کو سرجادوناتھ نے نقل کیا ہے[3]، راجپوتانہ کے راجاؤں کی سرکشی کے واقعات خافی خان وغیرہ نے قلمبند کئے ہیں، گجرات والوں کی مخالفت کا پتہ اس فرمان شاہی سے چلتا ہے، جو دیوان صوبہ کے نام آیا تھا، اور مرآۃ احمدی کے حوالہ سے اوپر نقل ہو چکا ہے، برہانپور اور دکن کے ہنگاموں کا تذکرہ خافی خان میں ہے، اور سرکار نے بھی اس کا حوالہ دیا ہے،

---

[1] گو کہ اس کے بجائے اور دوسری قسم کے محصول بڑھا دیئے، جن پر ہمیشہ مغلوں کے عہد حکومت میں اورنگزیب کے زمانہ تک عمل رہا۔ [2] خافی خان ص ۲۶۱، ۲۶۲، ج ۲، [3] سیواجی کے اس خط کے متعلق سخت اختلاف ہے، رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے مسودہ میں اس کو سیواجی کی طرف منسوب کیا ہے، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے مسودہ میں شمبھوجی کا نام آیا ہے، آرم (Orme) کے اقتباسات میں جسونت سنگھ اور ٹاڈ (Tod) نے مہارانا راج سنگھ کا نام لیا ہے، شمبھوجی اور جسونت تو تاریخوں کی وجہ سے خارج از بحث ہو جاتے ہیں، البتہ اندرونی شہادت اور خود نوشت سوانحی تفصیلات راج سنگھ کے بجائے سیواجی پر منطبق ہوتے ہیں، رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے مسودہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خط کا مضمون نیلا پربھو نے بنایا تھا جو سیواجی کا فارسی کاتب تھا، لیکن تحریر کا انداز

Marfat.com

ان واقعات کی روشنی میں جزیہ کی تحصیل میں باقاعدگی، یا پروفیسر جدوناتھ کے الفاظ میں "تشدد" کا سبب کچھ اور معلوم ہوتا ہے جس کو ہم بہ تفصیل لکھتے ہیں،

(۱) **مقاومتِ مجہولہ**: اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندوؤں نے آزادی کے لئے جو لڑائی شروع کی، اس کی ابتدا "فیرمان شاہی" برہمنوں کی تقلید میں مقاومتِ مجہولہ یا پرامن ترکِ موالات سے کی گئی، سرجادوناتھ نے لکھا ہے، کہ ۲ راپریل ۱۶۷۹ء (یکم ربیع الاول ۱۰۹۰ھ) سے تمام سلطنت میں جزیہ کا قانون نافذ ہوا، جب یہ خبر پھیلی تو دہلی اور مضافات کے صدہا ہندو جمع ہو کر جمنا کے کنارے قصرشاہی کے سامنے جا کر کھڑے ہوئے، اور جزیہ کی منسوخی کے لئے شور مچایا، اس کے بعد جمعہ کے دن نماز کے وقت باب قلعہ سے لے کر جامع مسجد تک سڑک پر دہلی شہر اور چھاؤنی کے ہندو کھڑے ہوئے اس کے بعد بھی چند روز تک یہ سلسلہ جاری رہا، اسی زمانہ میں سیواجی کا خط آیا، (تاریخ اورنگزیب، ص ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳) ظاہر ہے کہ ان شورشوں میں جزیہ کی آمدنی کم ہو گئی ہو گی،

(۲) **بغاوت**: چونکہ عالمگیر کی رعایا مسلح تھی، اس "پرامن" مقابلہ نے جنگ کی شکل بہت جلد اختیار کر لی، اور رانا راج سنگھ والی جے پور اس تحریک کا سرگروہ بن گیا، رانا کو سیواجی نے اپنے خط میں ہندوؤں کا سردار لکھا ہے، (تاریخ اورنگ زیب ص ۲۰۹، Appendix VI) سیواجی پہلے سے مخالف تھا، اور مرہٹہ حکومت کا خواب دیکھ رہا تھا، وہ بھی اس تحریک میں شامل ہوا، اورنگزیب کے نام ایک سخت خط لکھا، ان دو کے علاوہ راجپوتانہ کے بہت سے راجا مخالف ہو گئے، پھر دکن کی رعایا بگڑ گئی، اور ایسی سرکشی اختیار کی کہ تحصیلداروں کے تقاضے کے باوجود جزیہ دینا بند کر دیا، خافی خان لکھتا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸) بتلاتا ہے کہ اس خط میں بہت سے ٹکڑے الحاقی ہیں، اس کا لکھنے والا اورنگزیب کا معاصر اور کمزور حریف سیواجی نہیں معلوم ہوتا، بلکہ آج کل کا "مصلح" اور ملک کا "نجات دہندہ" سیواجی معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ اس خط میں راج سنگھ کو ہندوؤں کا لیڈر کہا گیا ہے، اور اس جملہ پر خود سر جادوناتھ کو بھی اعتراض ہے، اور جنوری ۱۹۰۸ء کے ماڈرن ریویو میں انھوں نے اس پر تنقید بھی لکھی ہے، اس لئے اس خط کی صحت بہت مشکوک، ناقابلِ اعتبار بلکہ جعلی ہے،

Marfat.com

ازانکہ کفار بلدہ وپرگنات در اداے جزیہ بسیار بسختی یا منصوب کردۂ پادشاہی پیش می آمدند و ہیچ پرگنہ نبود کہ رعایا بہ امداد فوجداران و مقدمان سرکش جنگ و ہنگامۂ فساد ننماید"

(ص۲۷، جلد ۲)

گجرات کی رعایا میں بھی بعض ایسے سرکش موجود تھے، چنانچہ شہنشاہ کے فرمان بنام دیوان صوبہ میں یہ فقرہ بھی ہے،

"واگر از راہ تمرد جزیہ سال اول ادا نہ کردہ باشد" (مراۃ احمدی ص ۳۲۲ ج ۱)

غور کرو! وہ رعایا جو سلطنت کے تحصیلداروں کے ساتھ زیادتی کرے، سرکش چودھریوں، اور فوجداروں کے جتھوں میں شامل ہو کر آمادۂ فساد ہو، اس کا جزیہ نہ دینا، کیا غربت اور مسکنت کی بنا پر ہو سکتا ہے ؟ ایسی سرکش رعایا کے متعلق اگر اورنگزیب نے یہ حکم دیا کہ تحصیلداروں کی مستعدی اور طلب و تقاضے کے باوجود جس نے جزیہ نہ ادا کیا ہو، اور سرکشی کی نیت بھی نہ رہی ہو، تو اس کا جزیہ (بقایا) معاف کر دیا جائے، اور جس نے سرکشی سے جزیہ بند کیا ہو، اس سے وصول کیا جائے، تو اس میں کیا بے انصافی ہوئی ؟ اور اگر یہ بے انصافی تھی، تو سر جدوناتھ کو "انصاف" کی کوئی مثال تاریخ ہند سے پیش کرنی چاہئے تھی،

سر جدوناتھ نے اعتراض کیا ہو کہ دکن کی رعایا سے بجبر جزیہ وصول کیا جاتا تھا، بے شبہہ میر عبدالکریم کے ساتھ سوار اور پیادے گئے تھے، اور کوتوال کو بھی حکم پہنچا تھا کہ "جو اداے جزیہ میں سستی کرے، اس کو سزا دی جائے،" (خافی خان ص ۲۷۸، جلد ۲) اس کی وجہ یہ تھی کہ دکن کی رعایا تحصیلداروں پر سختی کرتی تھی، اور سرکش فوجداروں اور چودھریوں سے اس معاملہ میں مدد لیتی تھی، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، جسے مورخ نے نظر انداز کر دیا ہے،

اس سرکشی کی وجہ سے جزیہ کی آمدنی پر جو اثر پڑا تھا، اس کا اندازہ صرف ایک صوبہ (دکن) کے ایک واقعہ سے کرنا چاہئے، میر عبدالکریم امین جزیہ برہان پور، بارگاہ سلطانی میں اطلاع دیتے ہیں،

Marfat.com

"جزیہ تمام بلدۂ برہان پور سال گذشتہ بست وشش ہزار روپیہ داخل خزانۂ سرکار گشتہ، خانہ زاد در مدت سہ ماہ از پورجات نصف بلدہ یک لک وہشت ہزار روپیہ عائد سرکار ساختہ" (خافی خاں ص ۲۷۹)

آدھے شہر کے مواضعات سے تین ماہ میں ایک لاکھ ۸ ہزار روپیہ وصول ہوا، جو میر عبدالکریم کے حسن انتظام کا نتیجہ تھا، حالانکہ اُن سے پیشتر برہان پور کے تمام مواضعات کا سالانہ جزیہ ۲۶ ہزار وصول ہوا تھا، پروفیسر سرکار کے نزدیک یہ حاکم کی سختی کا نتیجہ تھا، حالانکہ خافی خاں کے مطابق یہ اس وصف کا کرشمہ تھا، جو لفظ ضابطہ کے اندر جھلک رہا ہے، "ضبط" کے معنی ہیں کسی چیز کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنا،

(۳) **رقم جزیہ کی معافی**:۔ تیسری چیز جس نے جزیہ کی آمدنی پر اثر ڈالا یہ تھی کہ بعض رحم دل اور سادہ لوح مسلمان حکام نے ہزاروں ہندوؤں کو غیر مستطیع سمجھ کر جزیہ سے مستثنیٰ کر دیا تھا، حالانکہ وہ غیر مستطیع نہ تھے، ان حکام میں سے ایک امانت خان بھی تھا، خافی خاں (ص ۲۷۰، ۳۰۸ و ۳۰۹) اس کے متعلق لکھتا ہے

"آثار وزے رشید خان دیوانِ خالصہ کہ با امانت خان بادۂ سوے مزاج بدبختی داشت، پروانہائے معافی جزیہ را کہ امانت خان با دست آویز ہائے مختلف ہنود نوشتہ میداد و بادشاہ در اجرائے جزیہ نہایت تقید بود از نظر گذرانیدہ، عرض نمود کہ از نصف ہنود بیشتر را امانت خان سند عدم مزاحمت جزیہ دادہ خلافِ مرضی بظہور آمد"،

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی آبادی کے نصف سے زائد حصہ کو جزیہ سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا، پھر آمدنی کیوں کم نہ ہو جاتی؟

اورنگزیب نے اسی موقع پر امانت خان سے فرمایا تھا کہ

"در مقدمات دیگر مالی و ملکی آنچہ سند معافی بمردم می دہند مختارید، اما جزیہ کہ بہزار دشواری بر کفار جاری ساختہ ایم، معاف نمودن آن بدعت، و باعثِ برہم خوردن بندوبست جزیہ می گردد" (خافی خان)

Marfat.com

سرکار نے اس فرمان کو اورنگزیب کی سختی اور وصولی جزیہ مین تشدد پر محمول کیا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ چونکہ جزیہ کی آمدنی بہت کم رہ گئی تھی، اور انکم ٹکس کے طور پر غیر مسلمون کا وہی ایک محصول تھا، اس لئے بادشاہ نے تاکید کی کہ اور معاملات مین معافی کی سند دینے کا اختیار ہے لیکن جزیہ مین ایسا نہین کرنا چاہئے۔ سرکار نے بہزار دشواری، اور "بدعت" کے الفاظ کو بڑی اہمیت دی ہے لیکن اس مین کیا چیز خلاف واقعہ ہے؟ کیا شورشون، بغاوتون اور مظاہرون نے جزیہ کے نفاذ مین دشواری نہین پیدا کی تھی؟ اور کیا پرانے اور صحیح دستور کو اٹھا دینا "بدعت" (نئی بات) نہین ہے؟

ناظرین! گذشتہ تینون صورتون سے بخوبی اندازہ ہوا ہوگا کہ جزیہ کے باقاعدہ نظم ونسق کا کیا سبب تھا؟ واقعات شاہد ہین کہ بد امنی، متعدد بغاوتون اور جزیہ کی معافی کے سبب سے آمدنی کم ہو گئی تھی، اس لئے محکمہ کو باضابطہ کیا گیا تھا۔ سرجادوناتھ نے سبب کو مسبب اور مسبب کو سبب قرار دیکر معاملہ کو بالکل الٹ دیا ہے۔ انھون نے لکھا ہے کہ چونکہ محکمہ مین سختی تھی، اس لئے گذشتہ واقعات پیش آئے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ چونکہ واقعات پیش آئے اسلئے محکمہ کو باضابطہ کیا گیا۔

بعض اور غلط فہمیان

گذشتہ پانچ بڑے مغالطون کے علاوہ پروفیسر جادوناتھ کی بعض خوش فہمیان اور بھی ہین، مثلاً

(۱) جزیہ اشاعت اسلام کا ذریعہ تھا، اس کا جواب اگرچہ علامہ شبلی مرحوم نے نہایت معقول اور دلچسپ دیا ہے کہ،

"ایسا ٹکس جس کی تعداد اس قدر قلیل تھی، .... کیا دنیا مین ایک شخص نے بھی اوس سے بچنے کے لئے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا؟ کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہلکے ٹکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہوگا؟ اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہم کو اس کے مذہب کے ضائع ہونے کا رنج بھی نہ کرنا چاہئے!!"

(مقالات شبلی مضمون الجزیہ ص ۲۲۰ ج ۱)

Marfat.com

لیکن یہ جواب معترض کے لئے اس بنا پر کافی نہیں ہے، کہ وہ ساری ذمہ داری عالمگیر کے "ضعیف" کاندھے پر ڈالنا چاہتے ہیں، وہ مآثر عالمگیری کے حوالہ سے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اس محصول (جزیہ) کا مقصد اسلام کی اشاعت اور کفر کا ازالہ تھا، حالانکہ یہ مقصد اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ کہاں سے نکلتا ہے کہ عالمگیر کی یہ رائے تھی، جزیہ کا فرمان اگر بلفظہ موجود ہو، اور یہ ثابت ہو جائے کہ الفاظ خود عالمگیر نے لکھوائے تھے تو بے شبہہ یہ استدلال صحیح ہوگا، لیکن عمال حکومت کے منشی اور محرر یا اس زمانہ کے مورخ اپنے جذبات کو اگر فرامین شاہی یا اپنی عبارتوں کی تمہید میں ظاہر کریں، تو اُن کا ذمہ دار عالمگیر کیسے قرار پائے گا؟ مآثر عالمگیری یا مرآۃ احمدی جس کو بھی اٹھا لیا جائے، الفاظ خود مصنفین کے ہیں، اس لئے عالمگیر اُن کی بنا پر مورد الزام نہیں ہو سکتا؛

(۲) جزیہ زائد ٹکس تھا، جس سے صرف مسلمان محفوظ تھے، یہ غلط ہے، اورنگ زیب نے جزیہ کی طرح وصولی زکوٰۃ کا فرمان بھی نافذ کیا تھا، جو مرآۃ احمدی وغیرہ میں درج ہے، اس لئے پروفیسر صاحب کے الفاظ کو ذرا بدل کر یوں بھی کہا جا سکتا ہے "کہ زکوٰۃ زائد ٹکس تھا، جس سے صرف ہندو محفوظ تھے"

(۳) ملازمین سلطنت جزیہ سے مستثنیٰ تھے، اس خیال میں سرکار اور "ارسطو" مختلف ہیں، ارسطو نے فوج میں امرائے جزیہ کی موجودگی سے جن کا ذکر ۲۱ جولائی ۱۷۰۲ء (۱۱۱۳ھ) کے اعلان میں ہے، یہ استدلال کیا ہے کہ فوج میں ہندوؤں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا، ورنہ امرائے جزیہ کی موجودگی کے کوئی معنی نہیں ہیں، لیکن مرآۃ احمدی (ص ۳۱۴ ج ۱) میں اورنگ زیب کے اس حکم کی موجودگی میں جو عنایت اللہ خان مہتمم جزیہ کے نام ہے؛

"از ملازمان سرکار دولت مدار مواخذہ نکند و سوائے آن از جمیع ذمیان مطابق شرع شریف بگیرد"؛

ارسطو کے خیال کی کوئی اصلیت نہیں رہتی، اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ نہ فقدی صورت

مین ملازمین سلطنت سے جزیہ لیا جاتا تھا، اور نہ خدمت کی صورت مین، بلکہ اُن کی خدمات پر اُن کو الٹا معاوضہ ملتا تھا، فوج مین امراے جزیہ کی موجودگی کے ایک اور معنی بھی ہو سکتے ہین یعنی امیر جزیہ کے ساتھ امداد کے لئے فوج ہو، جیسا کہ میر عبدالکریم کے ساتھ فوج بھیجی گئی تھی، کیونکہ رعایا باغی تھی، اور یہ تو بہرصورت ممکن ہے، کہ فوج مین جزیہ کا کوئی دفتر ہوتا ہو، تاکہ باغی علاقون کے قبضہ مین آنے کے بعد جزیہ وصول کیا جاسکے،

ذخیرہ